بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

مُصنّفہ

امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

مُترجمہ

شیخ علی جواد صاحب

تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی ۔ لاہور ۔ راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

مصنفہ

امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

شیخ علی جواد صاحب

تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی - لاہور - راولپنڈی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷	مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی اگر وہ رکوع میں اور سجدہ میں اور اُٹھنے میں اور جھکنے میں امام سے سبقت کریں۔	۶۰
۸	لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ نماز پڑھیں گے لیکن ان کی نماز نہ ہوگی۔	۶۰
۹	اچھی طرح سے نماز پڑھنے والا اگر بُری طرح سے نماز پڑھنے والے کو نہ روکے گا تو اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔	۶۱
۱۰	وہ عالم جو جاہل کو نہیں سکھاتا، گنہگار ہوگا۔	۶۲
۱۱	امام سے سبقت کرنا نادانی ہے اس لئے کہ مقتدی امام سے پہلے نماز سے فارغ نہیں ہو سکتا۔	۶۳
۱۲	جس شخص نے نماز ترک کر دی اس کا اسلام میں کچھ حصّہ نہیں۔	۶۳
۱۳	جس قدر نماز سے رغبت ہوگی، اسی قدر اسلام سے رغبت ہوگی	۶۴
۱۴	نماز اسلام کا ستون ہے۔	۶۴
۱۵	نماز تمام نیکیوں میں افضل ہے۔	۶۵
۱۶	قیامت میں نماز کی سب سے پہلے پرسش ہوگی، اگر نماز قبول ہوئی تو سارے عمل قبول کئے جائیں گے۔ اور اگر نماز رد کر دی گئی تو سارے عمل ردّ کر دیئے جائیں گے۔	۶۵
۱۷	اللہ تعالیٰ نے اکثر جگہ نماز کے ذکر کو طاعات میں مخصوص کیا ہے۔	۶۶
۱۸	نماز کے خود بھی پابند رہو اور اپنے اہل و عیال کو بھی نماز کی تاکید کرو۔	۶۸

تو کلت علی اللہ وھذا فی رضی اللہ

سیرتِ

امام اہل السنۃ والجماعۃ حضرت امام احمد بن حنبل

رحمہ اللہ تعالیٰ

مؤلفہ

شیخ علی جواد صاحب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :-

مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَّمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَۃً ضَلَالَۃً لَّا یَرْضَاہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِھَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئًا ط

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ، جس شخص نے میری سُنّتوں میں سے کسی سُنّت کو جو میرے بعد مٹا دی گئی ہو، زندہ کیا۔ اس کو اس قدر ثواب ہوگا جس قدر کہ اس سُنّت پر عمل کرنے والوں کو ثواب ہوگا، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی کی جائے اور جس نے گمراہی کی نئی راہ نکالی جس سے اللہ اور اس کا رسولؐ راضی نہیں، تو اس پر بدعت کے تمام عمل کرنے والوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں سے کچھ کمی کی جائے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل فی کل زمان بقایا من اھل العلم یدعون من ضل الی الھدیٰ ویبصرون بنور اللہ اھل العمیٰ ویحیون بکتابہ الموتیٰ، و بسنۃ رسولہ اھل الجہالۃ و الردیٰ و یصبرون منھم علی الاذیٰ فکم من قتیل لابلیس قد احیوہ؟ وکم من ضال لا یعلم طریق رُشدہٖ قد ھدوہ؟ وکم من مبتدع فی دین اللہ بشھب الحق قد رموہ؟ فما احسن اثرھم علی النّاس! ینفون عن دین اللہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین، الذین عقدوا الویۃ البدعۃ واطلقوا اعنّۃ الفتنۃ مختلفین فی

تمام تعریفوں کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جس نے ہر زمانہ میں علماء کا سلسلہ جاری رکھا جو گمراہوں کو ہدایت کی طرف بُلاتے ہیں اور اندھوں کو خدا کی روشنی سے بینائی بخشتے ہیں اور قرآن مجید کے ذریعہ سے مُردہ دلوں کو اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی سُنّت سے جاہلوں اور ہلاک ہونے والوں کو زندہ کرتے ہیں اور جاہلوں کے تکلیف پہنچانے پر صبر کرتے ہیں کتنے ہی شیطان کے مارے ہوئے تھے جن کو اُنھوں نے زندہ کیا کتنے ہی گمراہ طریقہ ہدایت سے بیگانہ تھے جن کو انھوں نے راہِ راست دکھائی۔ کتنے ہی خدا کے دین میں بدعت کرنے والے تھے جن کو انھوں نے حق کے تیروں سے مارا پس لوگوں پر ان کا کیا ہی اچھا اثر ہوا۔ یہ علماء ہی کی شان ہے کہ وہ خدا کے دین کو تشدد کرنے والوں کی تحریفوں اور باطل پرستوں کی من گھڑت باتوں اور جاہلوں کی تاویلوں سے پاک

الکتاب، ویقولون علی اللہ وفی اللہ۔ تعالیٰ عمّا یقول الظّٰلمون علوًّا کبیرًا۔
وصلّے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہ وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

کرتے ہیں۔ ان جاہلوں نے بدعت کے جھنڈوں کو بلند کیا اور فتنہ کی باگوں کو ڈھیلا کر دیا اور قرآن مجید کے مطالب میں اختلاف کیا، اور خدا پر اور خدا کے بارے میں اپنی طرف سے باتیں بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی باتوں سے بدرجہا بلند تر ہے۔

لہ اس خطبۂ افتتاحیہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب اہل کتاب اور نومسلم عجمی اقوام کے میل جول اور قدیم فلسفہ وغیرہ کے تراجم نے اسلاف اور سیدھے عقائد کے اندر عجیب عجیب فلسفیانہ موشگافیاں پیدا کرنی شروع کیں اور دین کی خالص تعلیمات میں طرح طرح کی آمیزش ہونے لگی۔ بدعات اور گمراہی کے فتنے ہر طرف پھیلنے لگے تو امام مسدّد نے حضرت امام احمدؒ کو ایک خط لکھا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریق عمل سے ہمیں مطلع فرمایئے۔ حضرت امام نے جب اس خط کو پڑھا تو بہت روئے اور یہ خطبہ لکھ کر بھیج دیا۔ اس خطبہ کو بے انتہا مقبولیّت حاصل ہوئی۔ حافظ ابن منذرؒ اپنے اکثر خطبات کی اسی سے ابتدا کرتے۔ حافظ ابن جوزیؒ کا قاعدہ تھا کہ اپنے وہ وعظ جن میں خلیفۂ بغداد موجود ہوتا، اسی خطبہ سے شروع کرتے۔ حافظ ابن قیمؒ تو اس کو اس قدر پسند کرتے کہ اپنی اکثر کتابوں کا اسی سے افتتاح فرماتے۔ لہٰذا تبرّکًا میں نے بھی اسی خطبہ سے اس کتاب کو شروع کیا ہے۔

حضرت امام کی ولادت اور تعلیم

حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ ربیع الاول ۱۶۴ھ مطابق نومبر ۷۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین نے اپنا وطن خراسان ترک کر کے بغداد میں سکونت اختیار کی۔ یہاں آنے کے چند مہینہ بعد حضرت امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ آپ خالص عرب ہیں۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ نے آپ کی تربیت کی۔ ابتدائی تعلیم بغداد میں ہوئی۔ پندرہ برس کے سن میں آپ نے حدیث کی تعلیم شروع کی اور اپنے استاد سے تین ہزار سے زائد حدیثیں پڑھیں۔

تحصیلِ حدیث کے لئے سفر

حدیث کی تکمیل کے لئے آپ نے دُور دراز مقامات مثلاً کوفہ، بصرہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور عراق کا سفر کیا۔

شیوخ اور اساتذہ

آپ کے اُستادوں کی فہرست بہت طویل ہے جن میں حضرت امام اُبویوسفؒ قاضی القضاۃ بغداد (متوفی ۱۸۲ھ/۷۹۸ء) شاگرد رشید حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کا بھی نام نامی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ۱۹۵ھ میں آپ نے فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم شروع کی۔

مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام تعلیم میں جب آپ حدیث کے درس کے لئے اپنے استاد حضرت سفیان بن عیینہؒ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ آپ کی عدم موجودگی میں مکان سے آپ کے تمام کپڑے اور اسباب وغیرہ چور چُرا لے گئے۔ واپسی پر آپ کو چوری کا حال معلوم ہوا۔ آپ نے کچھ پروانہ کی۔ صرف یہ

لہ المقریزی

دریافت فرمایا کہ آیا میرے کاغذات تو محفوظ ہیں؟ پہننے کے کپڑوں کے نہ ہونے کی وجہ سے چند روز تک آپ درس میں شریک نہ ہوسکے۔ آپ کے ہم جماعت طلبہ نے آپ کی امداد بھی کرنی چاہی۔ مگر آپ کی خودداری نے گوارا نہیں کیا کہ کسی سے کچھ لیں، بلکہ مشقت کرکے آپ نے کچھ روپیہ کمایا اور اس سے جدید کپڑے تیار کرائے[۱]۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک مرتبہ یحییٰ بن معینؒ حج میں شریک سفر تھے۔ راستہ میں یہ طے کیا کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد صنعا چلیں اور وہاں حضرت مولانا عبدالرزاقؒ سے حدیث پڑھیں۔ مکہ معظمہ جب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت مولانا بھی حج کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ نے حضرت امام احمدؒ کا تعارف کرایا اور گزارش کی کہ صنعا کے بجائے مکہ معظمہ ہی میں جب تک قیام رہے درس دے دیں، یحییٰ بن معینؒ نے جب اس واقعہ کی خبر حضرت امام احمدؒ کو دی، تو امام احمدؒ نے اس طرح طے کرنے کو ناپسند فرمایا۔ ابن معینؒ نے جواب دیا کہ اس طریقہ سے سفر خرچ اور مہینہ بھر کی طویل مسافت سے بچ جائیں گے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس مقدس ارادہ کی بجاآوری میں اس قسم کے خیالات کو راہ نہ دینا چاہیئے۔ دونوں حضرات صنعا تشریف لے گئے اور وہاں حدیث کے درس میں شریک ہوئے۔

راستہ میں بڑی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ لوگوں نے سفر خرچ بھی دینا چاہا۔ مگر آپ نے کسی سے کچھ لینا گوارا نہیں کیا اور علیحدہ ایک اونٹ کرایہ پر طے کیا۔ صنعا میں افلاس و مصائب کا سامنا رہا۔ لوگوں نے امداد بھی کرنی چاہی۔ مگر حضرت امام احمدؒ کی غیرت نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

---

[۱] ابونعیم

حضرت مولانا عبدالرزاقؒ نے خود فرمایا کہ احمد بن حنبلؒ قریب دو برس میرے پاس رہے اور جب وہ آئے تو میں نے کچھ روپیہ دینا چاہا اور کہا کہ یہ ملک ایسا ہے کہ یہاں تجارت کرنی مشکل ہے، معاش حاصل کرنے میں یہاں زحمت ہوگی۔ مگر امام احمدؒ نے امداد قبول نہیں کی۔

امام احمدؒ خود فرماتے ہیں:

ما كتبت حديثاً الا وقد عملت	یعنی میں نے جس حدیث کو لکھا اس پر عمل
به حتى مرّبي ان رسول الله	بھی شروع کر دیا، یہاں تک کہ جس حدیث میں
صلى الله عليه وسلم احتجم و	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ حجام کو
اعطى ابا طيبه الحجام ديناراً	پچھنا لگانے کی اُجرت میں ایک دینار دیا تھا تو
فاحتجمت واعطيت الحجام ديناراً	میں نے بھی پچھنا لگوایا اور ایک دینار دیا۔[1]

حضرت امامؒ کا امام المحدثین ہونا

امام احمدؒ ابھی نوجوان ہی تھے، مگر اپنے زمانہ میں امام المحدّثین خیال کئے جاتے تھے اور مشائخ کے حلقہ میں بہت ہی عزّت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ امام احمدؒ نے درس دینا شروع کیا۔ مگر واثق کی خلافت کے زمانے میں مجبوراً حضرت امامؒ نے درس بند کر دیا۔

تصانیف

حضرت امام احمدؒ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں بعض کے نام[2] حسب ذیل ہیں:

کتاب[1] المسند، کتاب[2] طاعۃ الرسول، کتاب[3] الصلوٰۃ وما یلزم فیہا[3]۔ کتاب العلل

---

[1] المقریزی [2] احمد بن حنبل ومحنہ [3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔

کتاب[۹] الفرائض، کتاب[۱۰] التفسیر، کتاب[۱۱] الناسخ والمنسوخ، کتاب[۱۲] الزہد، کتاب[۱۳] الایمان کتاب[۱۴] الاشربہ، کتاب[۱۵] المسائل، کتاب[۱۶] الفضائل، کتاب[۱۷] المناسک، کتاب[۱۸] الرد علی الجہمیہ۔

کتاب المسند میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سات سو صحابہ کرامؓ کی روایتیں ہیں۔ اور سات لاکھ اور بقول بعض ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کر کے تیس ہزار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ حضرت امام احمدؒ فخر یہ کہتے تھے کہ جو کچھ اس مجموعہ میں ہے وہ نہایت ہی مستند ہے۔ اور جو اس مجموعہ میں نہیں ہے استدلال کے واسطے اس کی بنیاد صحیح نہیں خیال کرنی چاہیئے۔

حضرت امامؒ نے فرمایا:۔

عملت ھٰذا الکتاب اماماً اذا اختلف الناس فی سنۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجع الیہ۔	یعنی جب رسول اللہ علیہ وسلّم کی کسی سُنّت کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو تو کتاب المسند کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

میں نے اس کو امام بنایا ہے اس کا فیصلہ صحیح ہوگا۔

مُسند بہت سی کتابوں کا ماخذ ہے۔ بیشمار مصنّفین نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ مسند احمد بن حنبل مطبوعہ قاہرہ کی فہرستِ ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ یہ کتاب کس قدر جامع ہے۔ فہرست کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

جلد اوّل صفحہ ۲ سے ۱۹۵ تک ـ ـ ـ عشرۂ مبشرہؓ سے روایات
جلد اوّل صفحہ ۱۹۵ سے ۱۹۹ تک ـ ـ ـ چار دیگر اصحاب کبارؓ سے روایات
جلد اوّل صفحہ ۱۹۹ سے ۲۰۶ تک ـ ـ ـ روایات اہل البیتؓ

---

[۱] السبکی [۲] "احمد بن حنبل ومحنہ" مؤلفہ والٹر ایم پیٹن WALTER. M. PATTON

جلد اوّل صفحہ ۲۰۶ سے آخر تک اور جلد دوم اور جلد سوم صفحہ ۴۰۰ تک ---- اجلّہ صحابہ کرامؓ سے روایات
جلد سوم صفحہ ۴۰۰ سے ۵۰۳ تک ---- اہلِ مکّہ سے روایات
جلد چہارم صفحہ ۲ سے ۸۸ تک ---- اہلِ مدینہ سے روایات
جلد چہارم صفحہ ۸۸ سے ۲۳۹ تک ---- اہلِ شام سے روایات
جلد چہارم صفحہ ۲۳۹ سے ۴۱۹ تک ---- اہلِ کوفہ سے روایات
جلد چہارم صفحہ ۴۱۹ سے جلد پنجم صفحہ ۱۱۳ تک ---- اہلِ بصرہ سے روایات
جلد پنجم صفحہ ۱۱۳ سے جلد ششم صفحہ ۲۹ تک ---- انصار سے روایات
جلد ششم صفحہ ۲۹ سے ۴۶۷ تک ---- مستورات سے روایات

حضرت امامؒ کے تلامذہ

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں جلیل القدر محدّثینِ صحاح ستّہ مثلاً حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ اور حضرت امام مسلمؒ، صاحب صحیح مُسلم اور حضرت امام ابو داؤدؒ، صاحب سُنن ابی داؤد ہیں۔

حضرت امامؒ کا حافظ الحدیث ہونا

حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا طریق درس یہ تھا کہ روایات کو حدیث کی کتاب سے دیکھ کر پڑھتے اور اس قدر احتیاط کرتے کہ زبانی روایت بیان نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت امامؒ کو تمام روایات حفظ تھیں اور اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ خیال کئے جاتے تھے۔

حضرت امامؒ نے حدیث کی تعلیم کے واسطے اپنے کسی شاگرد سے کوئی اجرت

نہیں قبول فرمائی، یہاں تک کہ حدیث کے لکھنے کے واسطے شاگردوں کو کتابت کا سامان وغیرہ جو کچھ عطا فرمایا، اس کی بھی کوئی قیمت نہیں لی۔

حضرت امام احمدؒ حضرت امام شافعیؒ کا نہایت ہی اعزاز واحترام کرتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ ہمارے زمانے میں کوئی بھی ایسا شخص نہ ملے گا جو ذرا بھی قلم پکڑ سکتا ہو اور روشنائی سے لکھ سکتا ہو اور وہ حضرت امام شافعیؒ کا زیر بارِ احسان نہ ہو۔[1]

حضرت امام احمدؒ نے فرمایا: "ماصَلّیتُ صَلوٰةً منذ ثلاثین سنةً اِلّاوانا ادعو للشافعی"[2] یعنی تیس سال سے میں نے کوئی بھی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ مانگی ہو۔

حضرت امامؒ کے صاحبزادہ نے دریافت فرمایا کہ ابّا جان حضرت امام شافعیؒ کون ہیں جن کے لئے آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگا کرتے ہیں۔ حضرت امامؒ نے فرمایا: "یابنیّ کان الشافِعی کالشمس للدُّنیا وکالعافیة للناس"[3] یعنی اے میرے بیٹے! امام شافعیؒ گویا دُنیا کے لئے آفتاب تھے اور انسان کے لئے صحت وتندرستی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: "یااباعبداللہ اذا صحّ عندکم الحدیث عَن رسُول اللہ صَلّی اللہ علیہ وسلّم فاخبرونا بہ حتی ترجعَ الیہ"[4]۔ یعنی اے ابوعبداللہ (امام احمدؒ کی کُنیت ہے) جب آپ کے نزدیک رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی صحیح حدیث پُہنچے تو ہم کو بھی مطلّع فرمائیے تاکہ ہم بھی اس کی طرف رجوع کریں۔

---

[1] النووی [2] المقریزی [3] المقریزی [4] ابونعیم

حضرت امام شافعیؒ کی رائے

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: "انت اعلم بالاخبار الصحاح منا فاذا کان خبر صحیح فاعلمنی حتی اذھب الیہ"[1] یعنی احمد بن حنبلؒ ہم میں سب سے زیادہ صحیح حدیث کے عالم ہیں، اس لئے ہمیشہ امام احمدؒ سے دریافت فرماتے کہ اگر ان کو کوئی صحیح حدیث پہنچی ہو تو اس سے مطلع کردیں تاکہ وہ بھی اس کو اختیار کریں

عبداللہ بن امام احمدؒ نے فرمایا کہ حضرت امام شافعیؒ نے جو کتابیں بغداد میں تصنیف فرمائیں، وہ ان کتابوں سے زیادہ صحیح ہیں جو انھوں نے مصر میں تصنیف کیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ بغداد میں وہ حضرت امام احمدؒ سے احادیث کی صحت وغیرہ کے متعلق ہمیشہ مشورہ کرتے رہتے تھے اور ان کی اصلاحات کو مقدم رکھتے تھے، لیکن مصر کی تصنیف شدہ کتابوں میں ضعیف احادیث موجود ہیں، وہاں کسی نے ان کی اصلاح نہیں کی[2]

حضرت امام شافعیؒ ۱۹۸ھ میں ایک مہینہ کے واسطے بغداد تشریف لائے۔ بغداد سے جاتے وقت فرمایا۔ خرجت من بغداد وما خلفت بھا افقہ ولا اورع، ولا ازھد ولا اعلم من احمد[3] یعنی بغداد سے میں چلا آیا اور حضرت امام احمدؒ سے زیادہ فقیہ، زیادہ پرہیزگار، زیادہ زاہد اور زیادہ عالم میں نے وہاں نہیں چھوڑا۔

الہیثم بن جمیلؒ کی رائے

بغداد میں حضرت امام احمدؒ کے استاد الہیثم بن جمیلؒ اپنے لائق شاگرد حضرت امام احمدؒ کو بہت ہی بڑا عالم حدیث جانتے تھے۔ ایک موقع پر الہیثم بن جمیلؒ نے فرمایا: "وددت انہ نقص من عمری وزاد فی عمر احمد بن حنبل"[4] یعنی،

---

[1] ابو نعیم [2] ابو نعیم [3] السبکی [4] ابو نعیم

کاش اللہ تعالیٰ میری زندگی کو گھٹا کر احمد بن حنبلؒ کی زندگی کو بڑھا دے۔

حضرت امام شافعیؒ کا خواب اور رسُولِ کریمؐ کی بشارت

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب مصر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت ممدوح سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خواب میں فرمایا کہ احمد ابن حنبلؒ کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے بارے میں ان کو آزمائش میں ڈالے گا۔ ربیع بن سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے ایک خط لکھ کر مجھے حوالہ کیا اور مجھ سے فرمایا کہ فوراً عراق جا کر اس خط کو حضرت امام احمدؒ کو دو۔ مجھے خط پڑھنے کی ممانعت فرمائی۔ میں نے خط لیا اور عراق پہنچا اور مسجد میں فجر کے وقت حضرت امام احمدؒ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ نماز کے بعد میں نے حضرت امام احمدؒ کو سلام کیا اور امام شافعیؒ کا خط پیش کیا۔ خط پاتے ہی حضرت امام احمدؒ مجھ سے حضرت امام شافعیؒ کے متعلق پُوچھنے لگے اور دریافت کیا کہ تم نے خط کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ خط کی مہر توڑی اور پڑھنا شروع کیا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگے "ارجوا اللہ تعالیٰ ان یحقق ما قاله الشافعیؒ" یعنی میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کے قول کو سچّا کر دکھائے گا۔

ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ خط میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا:

ذکر فی کتابه انه رای النّبی صلّی اللہ علیه وسلم فی نومه وھو یقول له یا ابن ادریس بَشِّرْ ھذا الفتی ابا عبد اللہ اَحْمَدَ بن حَنبلٍ انه سَیُمتحَنُ	یعنی، امام شافعیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ اس نوجوان ابو عبد اللہ احمد بن حنبلؒ کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ دین کے بارے میں اس

فِی دِیْنِ اللّٰہِ وَیُدعیٰ اَن یَقُول اَلْقُرْاٰن مَخْلُوق فلا یفعل فانّہ سَیُضْرَبُ بالسیاط وَانّ اللّٰہ عزّو جَلّ یَنشُرُ لہ بذالک عَلَمًا لایطوٰی الیٰ یوم القیٰمۃِ۔[۱]

کو آزمائش میں ڈالے گا اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ قرآن مجید کو مخلوق تسلیم کرے مگر اس کو چاہیئے کہ ایسا نہ کرے جس پر اس کے تازیانے لگائے جائیں گے آخر اللہ تعالیٰ اس کا ایسا علم بلند کریگا جو قیامت تک نہیں لپیٹا جائے گا۔

ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمدؒ سے عرض کیا کہ اس بشارت کی خوشی میں جناب مجھے کیا انعام عطا فرماتے ہیں؟ حضرت امام کے جسم مبارک پر اس وقت دو کپڑے تھے۔ حضرت امامؒ نے ایک کپڑا مجھے مرحمت فرمایا۔ خط کا جواب لے کر میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت امام شافعیؒ نے پوچھا۔ وہ کپڑا کہاں ہے؟ میں نے پیش کیا۔ حضرت امامؒ نے فرمایا کہ میں نہ تو تم سے اس کو قیمتاً طلب کرتا ہوں، نہ ہدیۃً، البتہ اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس کپڑے کو پانی میں تر کر کے اس کا متبرک پانی مجھے دے دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت امام شافعیؒ[۲] نے اس کو ایک برتن میں رکھ لیا، اور روزانہ اپنے رخسار مبارک پر اس کو تبرکاً مل لیتے تھے۔[۳]

فتنۂ خلقِ قرآن

مسئلہ "خلقِ قرآن" کا فتنہ ۲۱۲ھ مطابق ۸۲۷ء سے شروع ہوا۔ چھ[۶] برس تک خلیفہ المامون[۴] اسی شش و پنج میں تھا کہ آیا اس کو تمام مسلمانوں کے

---

[۱] المقریزی [۲] تاریخ وفات ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء [۳] المقریزی [۴] المامون ۱۹۸ھ / ۸۱۳ء میں خلافت پر قابض ہوا۔

لئے لازمی قرار دے۔ آخر کار اس کی شمشیر استبداد نے اس مسئلہ کو بجبر تسلیم کرانا چاہا۔ محدثین کرام کی ایک جماعت دین اسلام کی حفاظت کے لئے سب طرح کے مصائب و تکالیف برداشت کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئی۔ المامون نے یحییٰ بن اکثم رح قاضی القضاۃ کو ۲۱۷ھ میں معزول کیا اور احمد بن داؤد معتزلی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اس معتزلی قاضی کی رائے سے بہت سے علمائے حق قید ہوئے، بہت سے جلا وطن کئے گئے، بعض خاک و خون میں تڑپے اور بہتوں کے قدم جادۂ ثبات سے ڈگمگا بھی گئے۔[1]

مسئلہ خلق قرآن کی علمی تشریح

مولانا ابوالکلام آزاد کے جریدہ "الہلال" کا اقتباس مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں حسب ذیل ہے:

"دراصل اس سوال کو پیدا کرنا ہی ایک سخت ضلالت اور مسلک شریعت سے انحراف تھا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کو خدا کے رسول نے ہم تک پہنچایا۔ ہماری معلومات اس کی نسبت صرف اسی قدر ہیں۔ اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے اتنا علم کافی ہے، وہ مخلوق ہے یا قدیم۔ یہ سوال نہ تو خود قرآن نے ہمارے سامنے کیا، نہ اللہ کے رسول نے، نہ تربیت یافتگان عہد نبوت نے۔ پس جو کچھ ضروری تھا وہ وہی تھا جو بتلا دیا گیا، اور جو نہیں بتلایا گیا وہ ضروری ہی نہیں ہے اور اس کی فکر و کاوش میں ہمارے لئے کوئی سعادت نہیں۔

سلف صالح رح اور محدثین کرام کا یہی مسلک تھا اور صرف اسی راہ میں امن

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد رح

تھا۔ لیکن افسوس کہ مسلمان ان فتنوں سے نہ بچ سکے جو ان سے پہلے کی قوموں میں موجبِ ضلالت ہو چکے تھے۔

پھر قدُوم و حدُوث کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو مسئلہ بالکل واضح تھا اور اس کی حقیقت ایک ہی تھی۔ اللہ اور اس کی تمام صفات کاملہ قدیم ہیں اس کی ایک صفت کلام ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، پس حروف واصوات و الفاظ کی جس مرتبہ و منظمہ شکل میں وہ موجود ہے۔ اس کی حقیقت نظمی و ترتیبی کو بھی قدیم ہونا چاہیئے۔ لیکن فلسفیانہ کاوشوں نے ایک صاف بات کو پیچیدہ بنا کر نظر و بحث کی اور راہیں بھی کھول دیں۔ فرقۂ معتزلہ نے جو فلسفہ و معقولاتِ یونانی سے متاثر ہو چکا تھا، اس مسئلہ کو بالکل دوسری نظر سے دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ قرآن کریم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا، اس سے پہلے نہ تھا۔ وہ ایک بامعنی عبارت ہے، عبارت جملوں سے مرکب ہے، جملے الفاظ سے، اور الفاظ حروف سے۔ یہ حروف اور یہ الفاظ جب ہماری زبان سے نکلتے ہیں تو ہماری آواز ہوتے ہیں جو اس سے پہلے نہ تھی اور جس کا حدوث ہمارے ہی حلق و زبان سے ہُوا۔ پس ان اعتبارات سے قرآن مخلوق ہے، قدیم نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے، اسے بھی مخلوق ہونا چاہیئے۔

ان خیالات سے معتزلہ نے سخت ٹھوکر کھائی۔ انھوں نے دعویٰ کر دیا کہ قرآن مخلوق ہے اور اس طرح گمراہی و فساد کا ایک بڑا دروازہ اُمت پر کھول دیا۔ ان کی ہدایت فلسفیانہ کاوشوں کے اندر گم ہو گئی۔ وہ یہ نہ سمجھے اصواتِ حروف کا مخلوق ہونا جو انسان کا فعل ہے دُوسری چیز ہے اور قرآن کا مخلوق

ہونا جو ایک حقیقت نظمی و ترتیبی کا نام ہے، بالکل دوسری ہے۔ قرآنِ حکیم کو کسی اعتبار سے بھی مخلوق و حادث نہیں کہہ سکتے۔ وہ نہ تو حرفوں کا نام ہے اور نہ ان آوازوں کا جو انسان کے حلق سے نکلتی ہیں: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کا ہر حرف اور ہر لفظ اپنی انفرادی حالت میں جو آواز پیدا کرتا ہے اور ان کی حرکاتِ صوتیہ سے جو تموّج ہوا کے ذرات میں پیدا ہوتا ہے یقیناً حادث ہے لیکن ساتھ ہی وہ قرآن بھی نہیں ہے۔ قرآن تو اس حقیقت نظمی کا نام ہے جو ان حرفوں کی ایک خاص الٰہی ترتیب و تنظیم سے متشکّل ہوئی اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" بن کر لسانِ وحی پر جاری ہوئی، وہ قدیم ہے اس لئے کہ خدا بھی قدیم ہے۔

گلستاں کا ہر لفظ اور ہر حرف سعدی کا کلام نہیں ہے لیکن گلستان سعدی کی ہے اس لئے وہ حقیقت جو انفرادِ حروف واصوات کے علاوہ ہے اسی کا نام گلستاں ہوگا اور وہی سعدی کی تصنیف ہے۔

پس "قرآن" جس کتاب کا نام ہے، وہ کسی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں ہوسکتی معتزلہ نے اسے مخلوق قرار دے کر ایک طرف تو ان بحثوں کا دروازہ کھولا، جو اسلام کے لئے سب سے بڑا فتنہ تھا۔ دوسری طرف قرآن کی الٰہی عظمت وقدوسیّت کے اعتقادی اساس کو بھی سخت صدمہ پہنچنے کا امکان پیدا کر دیا۔ قرآن کی ربّانی والٰہی عظمت کا اعتقاد اسلام کی تمام کائنات زندگی کی اصلی رُوح تھی پس آغازِ عہد ہی میں اس کی پُوری حفاظت نہ کی جاتی تو بہت جلد وہ وقت آجاتا جب لوگ تورات اور انجیل کی طرح قرآنِ حکیم کی عزّت الٰہی کو غارت کر دیتے اللہ تعالیٰ نے فرزندانِ اسلام کی سب سے بڑی مقدّس وحاملِ شریعۃ جماعت

یعنی محدّثین کرامؒ کو اس بدعتِ مضلّہ کے انسداد کے لئے کھڑا کر دیا اور انھوں نے اپنا خون بہا کر اس مسئلہ کے دست بُرد سے قرآنِ حکیم کی حفاظت کی۔

اگر یہ مسئلہ صرف عامۂ معتزلہ تک محدود رہتا تو پیروانِ اسلام کے سوادِ اعظم کے لئے (جو اس کا مخالف تھا کوئی مصیبت نہ تھی یہ صرف بحث و دلائل کا میدان ہوتا اور زبان و قلم کا جہاد اس کے لئے کافی تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ حکومتِ وقت نے اس مذہب کا ساتھ دیا۔ اور بعض خلفائے عباسیہ نے معتزلہ کے ساتھ ہو کر خلقِ قرآن کے مسئلہ کو بجبر پھیلانا چاہا، انھوں نے حکومت کے زور، سزاؤں کے اعلان، قید خانوں کی زنجیروں اور جلّادوں کی تلواروں کو حرکت دی، اس لئے یہ علمی مسئلہ علمی نہ رہا بلکہ اربابِ حق کے ابتلاء و آزمائش کی ایک ہیبت ناک ہولناکی بن گیا۔"

(اپنی موت سے ۴ ماہ قبل) المامون نے ۲۱۸ھ میں سلطنت کے تمام صوبجات میں ایک فرمان بھیجا کہ محدّثین اور قاضیوں کے سامنے پڑھا جائے اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں جواب طلب کیا جائے۔ بغداد میں اس مسئلہ کے بارے میں جواب طلب کیا جائے۔ بغداد میں اس مسئلہ کی محدّثین نے شدید مخالفت کی۔ المامون نے دوسرا فرمان اسحٰق بن ابراہیم گورنر بغداد کے پاس بھیجا کہ سات جیّد محدّثین کو روانہ کرو تاکہ ان کا اس مسئلہ میں امتحان لیا جائے۔ ان سات محدثین کے نام یہ ہیں: محمد بن سعدؒ کاتب الواقدی (مؤلف طبقات الکبریٰ۔ انکی وفات بغداد میں ۲۳۰ھ میں ہوئی) ابو مسلمؒ (ان کا پورا نام ابو مسلم عبدالرحمٰن بن یونس ہے یونس ابو جعفر منصور کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان ابو مسلم سے امام بخاریؒ بھی روایت کرتے ہیں) یحییٰ بن معینؒ (یہ بغداد کے چوٹی کے محدّثین میں سے ہیں

آپ کا انتقال مدینہ میں ۲۳۳ھ میں ہُوا) زہیر بن حرب ابوخیثمہ (آپ مشہور محدث ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے آپ سے بہت سی روایات کی ہیں ۲۳۴ھ میں وفات پائی) اسمٰعیل بن داؤدؒ۔ اسمٰعیل بن ابی مسعودؒ۔ احمد بن الدورقیؒ (آپ کی وفات ۲۴۶ھ میں ہوئی) ان ساتؒ محدثین میں حضرت امام احمدؒ کا بھی نام تھا مگر مصلحتًا خارج کر دیا گیا۔ ان محدثین نے شاہی دبدبہ وجلال سے مرعوب ہو کر یہ مسئلہ تسلیم کر لیا۔ المامون نے ان کو بغداد واپس کر دیا تاکہ تمام محدثین وفقہاء کے سامنے اقرار کریں۔

حضرت امامؒ کی آزمائش اور جرأت حق

ان سات محدثین کے تسلیم کرنے سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بہت ہی بڑا صدمہ ہُوا۔ المامون نے تیسرا فرمان اسحٰق بن ابراہیم کے پاس بھیجا۔ اسحٰق نے بغداد کے بہت سے علماء و محدثین کو طلب کیا اور خلق قرآن کے متعلق پوچھا تقریباً سب نے مرعوب ہو کر تسلیم کر لیا۔ حضرت امام احمدؒ کی باری آئی۔ انھوں نے قطعاً انکار کیا۔ حضرت امامؒ کی جرأت و بیباکی سے لوگوں میں جان آئی، اور چند کے سوا باقی کسی نے اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ اسحٰق نے المامون کو سب کے جوابات سے مفصّل اطّلاع دی۔ نو دن کے بعد پھر سب کو طلب کیا اور خلیفہ کا جواب سُنایا۔ المامون کے جواب کو سُن کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ، محمد بن نوحؒ، الحسنؒ المعروف بہ سجّادہ، عبیداللہ القواریری کے سوا سب نے اپنی رائے تبدیل کر دی۔

حضرت امامؒ کی گرفتاری

ان چار محدثین کرامؒ کو ہتھکڑی اور بیڑی ڈال کر قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ دوسرے دن قید خانہ سے بُلا کر گورنر کے سامنے پیش کئے گئے۔ سجّادہ نے موقع غنیمت جان

کر اپنی رائے بدل دی، لہٰذا بری کر دیئے گئے۔ تیسرے دن عبیداللہ القواریری نے بھی اپنی رائے بدل دی اور جان چھوٹی۔ صرف امام اجل حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوح رحمہما اللہ تعالیٰ اپنے اعتقاد پر قائم رہے۔

اسحٰق نے المامون کو ان تمام واقعات کی اطلاع کی۔ المامون نے گورنر کو حکم بھیجا کہ حضرت امام احمدؒ اور امام محمدؒ بن نوح کو ہتکڑی بیڑی ڈال کر میرے پاس طرطوس بھیج دو۔ راستہ میں جب یہ مجاہدین انبار کے قریب پہنچے تو ابوجعفر الانباری دریائے فرات پار کر کے حضرت امامؒ کے شرف ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا:

اَنتَ الیَومَ رَأسٌ وَالنّاس یَقتَدُونَ بِكَ فَوَاللهِ لَئِن اَجَبتَ اِلیٰ خلقِ القرآنِ لَیُجِیبَنَّ بِاِجَابَتِكَ خلقٌ مِن خلقِ اللهِ وَان اَنتَ لَو تُجِب لَیَمتَنِعَنَّ خلقٌ مِنَ النّاسِ کثِیرٌ ۱؎	یعنی، آج آپ لوگوں کے سردار ہیں۔ لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ نے قرآن کا مخلوق ہونا تسلیم کر لیا تو خلق اللہ آپ کی وجہ سے مان لے گی۔ اور اگر آپ نے نہ مانا تو کثیر مخلوق اس کو ہرگز تسلیم نہ کرے گی۔

المامون کے حکم کے بموجب یہ مجاہدین اونٹ پر بغداد سے روانہ کئے گئے۔ حضرت امام احمدؒ کے ساتھ اونٹ پر احمد بن غسانؒ سوار تھے۔ راستہ میں حضرت امام احمدؒ نے اپنے رفیقِ سفر احمد بن غسان سے عانہ کے قریب کہا کہ میرا دل کہتا ہے کہ آج رات المامون کا قاصد رجاء الحضاری آئے گا۔ لہٰذا اگر وہ آئے اور میں سوتا ہوں تو تم مجھے جگا دینا۔ اور اگر تم سوتے رہے اور میں جاگتا رہا، تو میں تم کو جگا دوں گا۔

رجاء الحضاری آیا اور اس نے پوچھا: اَینَ ھٰؤُلَاءِ الاَشقِیَاءِ" یعنی، وہ

۱؎ السبکی

بدبخت کہاں ہیں؟ حضرت امامؒ نے فرمایا: "یاعدوَّ اللہِ اَنتَ تقولُ القرآن مخلوق ونکون نحنُ الاشقیاء"[1] اے دشمنِ خدا تو قرآن کو مخلوق کہے اور ہم اشقیاء (بدبخت) ٹھہریں؟

غرض یہ مجاہدین فی سبیل اللہ رجاء الحضاری کی نگرانی میں سپرد کئے گئے ایک تہائی رات گزرنے پر رجاء الحضاری آیا اور اس نے کہا: "قَدْ صَدَقْتَ یَااَبَاعَبْدِ اللہِ القُرْاٰنُ کَلَامُ اللہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ"[2] یعنی اے ابوعبداللہ آپ نے سچ فرمایا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔

ان محترم اسیرانِ ستم کو رجاء الحضاری ابھی دُور نہیں لے چلا تھا کہ اذنہ کے قریب ایک شخص رات گئے آیا اور کہا بشارت ہو المامون مر گیا۔ حضرت امام کے صاحبزادے کہتے تھے کہ میرے باپ فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا تھا کہ میرا اس کا سامنا نہ ہو۔ لہٰذا یہ دونوں مجاہدین رقہ کے قید خانہ میں بھیج دیئے گئے۔

حضرت امام احمدؒ کے چچا اسحٰق بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کی رہائی کے واسطے شاہی ملازمین سے بہت کوشش کی اور امام احمدؒ سے قید خانہ میں ملاقات کے لئے اسحٰق بن ابراہیم سے اجازت طلب کی۔ مجھے اجازت دی گئی اور میرے ساتھ ایک شاہی افسر مقرر کر دیا گیا کہ جو کچھ گفتگو ہو اس سے گورنر کو مطلع کیا جائے۔ میں نے بہت سمجھایا کہ تمہارے ساتھیوں نے تسلیم کر لیا ہے تم معذور ہو مگر اس مجاہد فی سبیل اللہ نے فرمایا: "یاعمِّ اذا اجاب العالم تقیۃً والجاھل بجھل

[1] السبکی، المقریزی۔ [2] السبکی، المقریزی، ابونعیم

متٰی یتبیّن الحق[1] اے چچا جان! جب عالم تقیہ کے ساتھ جواب دے اور جاہل تو ناواقف ہے، تو حق کا اظہار کس طرح ہوگا؟

علماء کی ایک جماعت گئی اور بہت سمجھایا کہ جان کو ہلاکت میں نہ ڈالنا چاہیئے۔ طرح طرح کی تدبیریں بتائیں، تقیہ کے جواز کی بہت سی روایتیں سنائیں مگر اس پیکرِ حق و صداقت نے فرمایا کہ حضرت خبابؓ والی حدیث[2] کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ لہٰذا سب مایوس ہو کر واپس گئے۔

---

[1] المقریزی [2] صحیح بخاری میں پوری حدیث اس طرح سے ہے:

عَنْ خبّاب بن الارتّ قال شکونا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم وھُو متوسّد بُردۃً له فی ظلّ الکعبۃ قلنا له الا تستنصر لنا الا تدعُو اللّٰہ لنا قال کان الرّجل فیمن قبلکم یُحفر له فی الارض فیجعل فیه فیُجاءُ بالمنشار فیُوضَعُ علٰی راسه فیُشقُّ باثنتین وما یصُدُّہ ذٰلکَ عن دینه ویُمشط بامشاط الحدید ما دون لحمه من عظم او عصب وما یصُدُّہ ذٰلک عن دینه واللّٰہ لیُتمّنّ ھذا الامر حتّٰی یسیر الراکبُ من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الّا اللّٰہ اوِ الذئب علی غنمه ولٰکنّکُم تستعجلُون۔"

خبابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خانہ کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ مسلمانوں کی امداد کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کو گڑھے کھود کر کھڑا کیا اور آرہ ان کے سر پر چلایا گیا اس سے ان کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پھر بھی اپنے دین سے وہ نہ پھرے اور لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے اندر ہو کر ہڈی اور پٹھے پر چلائی گئیں پھر بھی انھوں نے حق سے منہ نہیں موڑا۔ خدا کی قسم! دعوت اسلام پوری ہو کر رہے گی یہاں تک کہ ایک سوار یمن سے حضرموت تک اطمینان سے چلا جائے گا اور راستہ میں اسکو خدا کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہوگا (یعنی سب مسلمان ہی مسلمان ہونگے۔ کوئی غیر نہ ہونگے جو کسی قسم کی تکلیف پہنچائیں) یا اگر خوف ہوگا تو یہ کہ کوئی بھیڑیا اس کی بکریوں پر حملہ نہ کرے (یہ بات پوری ہو کر رہے گی) لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

المامون کے انتقال کے بعد المعتصم ۲۱۸ھ ۸۳۳ء میں تخت پر بیٹھا۔ مامون کی وصیت کے بموجب اس نے اس جبر و استبداد کی کارروائی کو جاری رکھا رقہ کے قید خانہ سے یہ جانبازانِ اسلام قیدیوں کے ساتھ کشتی میں عانہ لائے گئے۔ عانہ میں حضرت محمد نوحؒ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت امامؒ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر وہاں سے ہتکڑی بیڑی پہنے بغداد واپس کئے گئے۔ چند دنوں یاسریٰ کے قید خانہ میں رہے اس کے بعد دارالشرشیر کے قید خانہ میں منتقل کر دیئے گئے وہاں سے محمد بن ابراہیم کے اصطبل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں مقید کئے گئے۔

رمضان المبارک کے مہینہ میں بیمار پڑ گئے۔ چند دن کے بعد قید خانۂ عامہ میں بھیج دیئے گئے۔ یہاں حضرت امام اٹھائیس ۲۸ مہینے قید رہے۔ حنبل بن اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اسی قید خانہ ہی میں کتاب الارجاء وغیرہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پڑھی۔ میں نے دیکھا حضرت امامؒ قید خانہ میں قیدیوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ نماز کے وقت اور سوتے وقت ہتکڑی اور بیڑی ہٹا دی جاتی تھی۔ قید خانہ میں دو آدمی روزانہ آکر بحث کرتے تھے اور سمجھاتے تھے مگر حضرت امامؒ اپنی رائے پر قائم رہے۔ روزانہ ایک بیڑی کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ چار چار بوجھل بیڑیاں پائے مبارک میں ڈالی گئیں۔

المعتصم کی ہیبت و رعب سے قیصر روم کانپا کرتا تھا مگر جس دل میں جلال الٰہی سمایا ہوا ہو اور جو صرف اللہ احکم الحاکمین سے ڈرتا ہو اس کے نزدیک دنیوی بادشاہ کا کیا خوف۔ المعتصم کے سامنے تین پیشیاں ہوئیں۔ بار بار سمجھاتا تھا۔ "یا احمد انا واللہ علیك شفیق وانی لاشفق علیك مثل شفقتی علیٰ ابنی

ھارون فواللہ لئن اجبتنی لاطلقن غلك بید ی " اے احمد! خدا کی قسم، میں آپ پر بہت مہربان ہوں۔ اور اپنے بیٹے ہارون (واثق) کی طرح آپ پر شفیق ہوں۔ اگر آپ خلقِ قرآن کو تسلیم کر لیں تو میں اپنے ہاتھوں سے ان بوجھل بیڑیوں کو کھول دُوں۔ مگر حضرت امام کی زبانِ مبارک سے یہی الفاظ نکلتے : اَعطُونِی شیئًا مِن کتاب اللہ اَو سُنّۃِ رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلّم حتّٰی اقُول بہٖ " یعنی خلق قرآن کے جواز میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کیجئے یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی حدیث بتایئے تو میں تسلیم کروں۔ آخر جب حضرت امامؒ نے حق کے خلاف خلیفہ کے حکم کی پرِ مگس کے برابر بھی پروانہ کی، تو اس نے حکم دیا کہ دُرّے پڑیں۔

حضرت امامؒ کے لئے دُرّوں کی سزا

رمضان المبارک ۲۱۹ھ کا اخیر عشرہ ہے جس کی طاعت اللہ تعالیٰ کو تمام دنوں کی طاعات سے زیادہ محبوب ہے۔ عین روزہ کی حالت میں حضرت امام المحدّثین، فخر الاسلام والمسلمین، حامیِ دینِ متینؒ کو جلّاد گرفتار کر کے لے جاتے ہیں۔ حضرت امامؒ کی قمیص کی آستین میں ایک گرہ نظر پڑی پُوچھا گیا کہ اس میں کیا ہے؟ حضرت امامؒ نے فرمایا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے دُو موئے مُبارک ہیں۔ اسحٰق بن ابراہیم گورنر آگے بڑھ کر قمیص آپ سے جُدا کرتا ہے حضرت امامؒ کو باندھا جاتا ہے۔ ڈیڑھ سو جلّاد آتے ہیں اور ہر ایک پُوری قوّت سے دُو دُو دُرّے اُس پشتِ مبارک پر مارتا ہے جو قرآن وحدیث کی حامل ہے۔ پہلا دُرّہ جب پڑتا ہے تو اس صابرِ اعظم، اس مجسمۂ سُنّت کی زبانِ مُبارک سے نکلتا ہے: " بسم اللہ " جب دوسرا

دُرّہ پڑتا ہے تو حضرت امامؒ کہتے ہیں: "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ وَهٰذَا فِیْ رِضَی اللّٰهِ" (یعنی میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور میرے بارے میں اُس کی مرضی یہی ہے) جب تیسرا دُرّہ پڑتا ہے، حضرت امامؒ فرماتے ہیں:

"اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰهِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ"

جب چوتھا دُرّہ پڑتا ہے، حضرت امامؒ قرآن کی یہ آیت تلاوت کرتے ہیں:

"قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا"

(اے پیغمبرؐ! تم ان لوگوں سے کہو کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے اس کے سوا (کوئی اور) مصیبت تو ہم کو پہنچ سکتی نہیں۔

غرض دُرّے کی ہر ضرب پر نہ جزع و فزع ہے، نہ شور و فغاں۔ جب ۲۹ واں دُرّہ پڑتا ہے، حضرت امام کے پائجامہ کا کمر بند ٹوٹ جاتا ہے حضرت امامؒ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں: "یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ وَیَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ قَآئِمٌ بِحَقٍّ فَلَا تَهْتِكْ عَوْرَتِیْ"[1] (یعنی اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو پہنچنے والے اور اے سارے جہانوں کے رب! اگر تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں، تو میری پردہ پوشی کر، میرا ستر کھلنے نہ پائے) اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کو قبول فرمایا۔

دُرّوں کی مار سے حضرت مجاہد فی سبیل اللہ بے ہوش ہو جاتے ہیں اور قریب کی ایک کوٹھری میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بے ہوشی کی حالت میں اس کوٹھڑی میں جلّادوں نے اپنے پاؤں سے حضرت امامؒ کو خوب مارا۔

[1] المقریزی

حافظ ابن جوزیؒ نے محمد بن اسمٰعیلؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت امام احمدؒ کو اسی دُرّے اِس قدر سخت مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو چیخ اُٹھتا۔ مگر اللہ رے جرأت و استقامت! حضرت امامؒ نے زبان سے اُف تک نہ کی۔

محل کے باہر مسلمانوں کا جمّ غفیر ہے جن کا قلب غم و غصّہ سے کھول رہا ہے اور المعتصم کے اس جاں گداز برتاؤ سے سخت مضطرب ہے۔ مجمع محل پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آخر مجمع کے ڈر سے سزا کا حکم ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ یہ ظالم فرماں روا حضرت امامؒ کے چچا اسحٰق بن حنبل کو لوگوں کو دکھلا کر کہتا ہے کہ: "حضرت امام احمدؒ صحیح و سالم ہیں کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا" اس فریب دہی سے مجمع کا غصّہ و اضطراب فرو ہو جاتا ہے۔ قاضی احمد بن ابی داؤد کی رائے تھی کہ حضرت امام ابھی قید خانے ہی میں رکھے جائیں۔ مگر اس تجویز سے المعتصم بہت غضب ناک ہُوا اور حضرت امامؒ کو ان کے مکان پر بھجوا دیا۔

زخمی ہونے کی حالت میں حضرت امامؒ کا نماز ظہر ادا کرنا۔

حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ، جب مجھے ہوش آیا تو چند لوگ کچھ کھانے کے واسطے لائے۔ میں نے کہا، روزہ نہیں توڑ سکتا۔ وہاں سے مجھے اسحٰق بن ابراہیم کے مکان پر لائے۔ ظہر کی اذان ہوئی۔ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اللہ اکبر! بدن زخموں سے چُور چُور ہے۔ خُون تمام جسمِ مُبارک سے بہہ رہا ہے، روزہ پر روزہ رکھا ہے۔ صرف چند گھونٹ پانی سے افطار کر لیا کرتے ہیں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو ممکن نہیں کہ فریضۂ الٰہی ترک ہو۔

"یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے"

ابن سماعہ نے یہ دیکھ کر کہا: صلیت والدم یسیل من ضربک۔ آپ کی نماز کیسے ہوئی، خون تو آپ کے زخموں سے بہہ رہا ہے؟ حضرت امامؒ نے فرمایا میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کیا۔ حضرت عمرؓ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ قاتل نے زخم کاری لگایا جس سے خون جاری ہو گیا۔ مگر آپ نے نماز نہیں چھوڑی۔ ابن سماعہ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔

حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک شخص قید خانہ میں بھیجا گیا، جو زخموں کا علاج کرتا رہا۔ اس نے میرے زخم کو دیکھا اور کہا میں نے ہزار کوڑوں کی چوٹ دیکھی ہے مگر اس سے بڑھ کر کوئی چوٹ نہیں دیکھی۔ آگے پیچھے ہر طرف زخمی کیا گیا تھا۔ وہ سلائی زخم کے اندر ڈالتا اور علاج کرتا رہا۔

راوی کا بیان ہے کہ معالج نے کہا ایک جگہ میں گوشت کاٹنا چاہتا ہوں، چنانچہ وہ چھری سے گوشت کو کاٹنے لگا۔ حضرت امام احمدؒ خدا کا شکر ادا کرتے رہے اور صابر تھے۔ زخم اچھے ہو گئے مگر کہیں کہیں تکلیف باقی رہی، چوٹ کا اثر ان کی پیٹھ پر اخیر وقت تک رہا۔

المعتصم عباسی خلیفہ ۲۲۷ھ ۸۴۱ء میں مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا الواثق تخت پر بیٹھا۔ حضرت امامؒ معتصم کی حیات ہی میں رہا ہو چکے تھے بغداد میں مرجع خلائق تھے اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ اہل بدعت پر حضرت امام کی ہر دلعزیزی بہت شاق گزری، لہٰذا الحسن بن علی الجعد، قاضی بغداد نے ابن ابی داؤد کو لکھا۔ حضرت امامؒ نے جب سنا تو قبل اس کے کہ کوئی خلاف کارروائی کی جائے، درس بند کر دیا۔ ابن ابی داؤد نے الواثق کو

حضرت امام کے خلاف بہت بھڑکایا۔ مگر اس میں ناکامیاب رہا۔ حضرت امام نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بغداد کو نہیں چھوڑا۔

واثق نے بھی خلقِ قرآن کے متعلق سلطنت کے تمام صوبجات میں ۲۳۱ھ میں احکام نافذ کئے۔ اس نے حضرت احمد بن نصر ساکن مرو، شاگرد حضرت امام مالک بن انس اور اُستاد حضرت یحییٰ بن معینؒ رحمہم اللہ تعالیٰ سے خلق قرآن کو تسلیم کرنے کے واسطے کہا۔ انھوں نے انکار کیا۔ لہٰذا شعبان ۲۳۱ھ میں ان کا سر قلم کرا دیا اور حکم دیا کہ بغداد بھیج دیا جائے۔ جہاں لوگوں کی عبرت کے لئے چند دنوں شرقی سمت اور چند دنوں غربی سمت میں نصب[۱] رہا۔ چھ برس تک دھڑ اور سر بلا کفن دفن کھلا رہا آخر متوکّل نے اپنے عہدِ حکومت میں حضرت احمد بن نصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رشتہ داروں کو دفن کرنے کے واسطے دے دیا۔

خلقِ قرآن کے متعلّق مناظرہ

واثق کے عہدِ حکومت میں خلقِ قرآن کے متعلّق ایک شیخ سے مناظرہ[۲] ہُوا جس کا یہاں ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

قاضی ابن[۳] ابی داؤد نے اذآنہ کے ایک شیخ کو خلیفہ کے سامنے الحاد کے جُرم میں پیش کیا۔ خلیفہ نے شیخ سے کہا کہ ابن ابی داؤد سے خلقِ قرآن کے متعلّق مباحثہ کرو۔ شیخ نے کہا اس سے بحث کرنا الفاظ کو ضائع کرنا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ صابئین میں سے ہے۔ یہ سُن کر واثق کو بہت غصّہ آیا۔ شیخ نے عرض کیا کہ اگر خلیفہ براہِ مہربانی توجّہ کے ساتھ سُنیں تو میں ابھی ثابت

---

۱ المقریزی ۲ احمد ابن حنبل دمحنتہ ۳ تاریخ وفات ۲۴۰ھ / ۸۵۴ء

کئے دیتا ہوں۔

بحث شروع ہوئی۔ شیخ نے پوچھا کہ: کیا آپ کے عقائد عامۃ المسلمین کے عقائد کے مطابق ہیں؟

ابن ابی داؤد نے کہا، بے شک۔

شیخ نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پیغام الٰہی کو بلاکم و کاست بندوں تک پہنچا دیا؟

ابن ابی داؤد نے کہا کہ بے شک تمام پیغام من وعن پہنچا دیا۔

شیخ نے پوچھا کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے خلق قرآن کو تسلیم کرایا؟

ابن ابی داؤد کچھ جواب نہ دے سکا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

شیخ نے اس پر خلیفہ کی توجہ مبذول کرائی اور خلیفہ کو بھی شیخ کی دلیل پسند آئی۔

شیخ نے پھر قرآن مجید کی یہ آیت: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (یعنی آج کے دن میں نے تمھارے دین کو تمھارے واسطے کامل کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمھارے واسطے دین پسند کیا) تلاوت فرمائی اور کہا کہ، اس آیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کوئی نیا اصول کیونکر تسلیم کرایا جا سکتا ہے جس کا اقرار نہ تو قرآن مجید نے کرایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کہا۔

ابن ابی داؤد ہکا بکا سا رہ گیا اور کچھ جواب نہ بن پڑا۔

خلیفہ نے شیخ کی اس دلیل کو بھی پسند کیا۔
تیسرا سوال شیخ نے یہ پوچھا کہ کیا مسئلہ خلق قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس پر ایمان لانے کی کبھی دعوت دی تھی؟
ابن ابی داؤد نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مسئلہ معلوم تھا لیکن یہ کہ اس پر ایمان لانا فرض قرار دیا تھا یا نہیں، اس کے متعلق میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔
شیخ کی یہ دلیل بھی خلیفہ کو پسند آئی۔
شیخ نے کہا کہ: اچھا فرض کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خلفاء رض کو یہ مسئلہ معلوم تھا مگر جب کہ انھوں نے اس کا اقرار مسلمانوں سے نہیں کرایا اور اس کو جزوِ ایمان قرار نہیں دیا۔ تو کیا آج یہ مناسب ہے کہ مسلمانوں سے اس کا اقرار جبراً کرایا جائے؟
فرض کرو کہ وہ اس پر ایمان لائے تھے اور انھوں نے اس کو اپنا ذاتی عقیدہ رکھا تھا، اور عام طریقہ سے لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت نہیں دی تھی، تو کیا اب یہ ضروری ہے کہ دوسروں کو مجبور کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ بھی اسی طرح سے سمجھیں جس طرح سے کہ تم نے سمجھا ہے؟
یہ سن کر خلیفہ نے اسی وقت حکم دیا کہ شیخ کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے الواثق نے اپنی رائے اس مسئلہ میں تبدیل کر دی تھی؟

المتوکل کی تخت نشینی اور احیائے سنت کی کوشش

واثق کے بعد المتوکل ۲۳۲ھ / ۸۴۶ء میں تخت نشین ہوا۔ دو برس تک یہ

رُوح فرسا ہنگامہ جاری رہا۔ بالآخر ۲۳۴ھ ۸۴۸ء میں المتوکّل نے شاہی فرمان کے ذریعے ہمیشہ کے لئے اِس فتنہ کا انسداد کر دیا۔ لوگوں نے اس کی بہت خوشیاں منائیں۔

خلیفہ المتوکّل بدعت کا سخت دشمن تھا۔ سُنّت کے زندہ کرنے کی اس نے بہت زیادہ کوشش کی[۱]۔ وہ حضرت امامؒ کی دل وجان سے قدر کرتا تھا۔

حضرت امامؒ کا عفو وکرم

خلیفہ المتوکّل نے اسحٰق بن ابراہیم گورنر کو ۲۳۵ء میں حضرت امامؒ کی خدمتِ اقدس میں بھیجا۔ اسحٰق نے معافی مانگی۔ حضرت امامؒ نے یقین دِلایا کہ میں نے تمام لوگوں کو جنھوں نے سزا دی یا سزا دِلائی، یا کسی نہ کسی طرح سے اس میں شرکت کی، مُعاف کر دیا ہے۔ اللہ اکبر! یہ فراخ دلی اور درگزر۔

رحمۃٌ للعالمین کی شانِ عفو وکرم کے وارث درحقیقت ایسے ہی علمائے ربّانی ہیں ؎

اے گُل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری!

دُوسرے دن قاصد شاہی تحائف اور دس ہزار نقد لایا اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین جناب کو سلام کہتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس تشریف لے چلیں۔ جناب کا کیا ارادہ ہے، اس نے یہ بھی عرض کیا کہ میں دُوسرے دن آکر جواب لوں گا۔ حضرت امامؒ کو یہ بات بہت شاق گزری۔ رات بھر نیند نہیں آئی۔ صبح کو تمام مہاجرین وانصارؓ کی اولاد میں سب روپیہ تقسیم کرا دیا۔

[۱] المقریزی

خلیفہ المتوکل دل سے چاہتا تھا کہ حضرت امامؒ اس کے پاس قیام فرمائیں اور حدیث کا درس دیں۔ وہ حضرت امامؒ کا بہت زیادہ اعزاز و احترام کرتا تھا۔ حضرت امامؒ پر یہ گراں گزرتا تھا۔ مامون، المعتصم اور واثق نے شدائد و محن سے آزمائش کی اور متوکل نے قدر و منزلت سے۔ یہ دُنیا کا فتنہ تھا، اور وہ دین کا۔[۱] بے انتہا اصرار کرنے پر حضرت امامؒ آخر اس کے پاس گئے روزہ رکھتے تھے۔ تھوڑے سے ستّو کھا لیتے تھے اور شاہی خاصہ جو آتا تھا، اس کو نہیں چھوتے تھے۔

ایک بار خلیفہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے، مگر حضرت امامؒ نے قبول نہیں کیا باوجودیکہ اس نے بہت اصرار کیا۔ حضرت امامؒ کے صاحبزادوں کے لئے خلیفہ نے کئی ہزار ماہوار کے شاہی وظائف مقرر کئے اور سخت تاکید کر دی تھی کہ حضرت امامؒ کے کان تک خبر نہ پہنچے۔

حضرت امامؒ کی علالت اور وفات

یکم ربیع الاوّل ۲۴۱ھ کو حضرت امامؒ بیمار ہوئے اور نہایت کمزور ہو گئے جوں ہی علالت کی خبر مشہور ہوئی، سارا بغداد عیادت کے لئے اُمنڈ آیا۔ اس قدر کثرت ہو گئی کہ تمام راستے بند ہو گئے۔ مجمع کے اس بے انتہا اژدحام کو دیکھ کر گورنر نے سڑکوں پر اور حضرت امامؒ کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا۔ صرف طبیب کو جانے کی اجازت تھی یا جن کو حضرت امامؒ دیکھنا چاہتے تھے ان کو داخل ہونے دیا جاتا تھا۔ حضرت امامؒ کا ایک پڑوسی عیادت کے لئے اندر گیا۔ حضرت امامؒ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور لوگوں سے کہا "انی لاری الرّجل یحیی شیئاً من السنۃ"[۲] میں خیال کرتا ہوں کہ یہ شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ

---

[۱] ابونعیم [۲] المقریزی۔

وسلّم کی سُنّت کو زندہ کرتا ہے۔ وہ پڑوسی حضرت امام کو دُعا دینے لگا۔ حضرت امام کے صاحبزادہ نے کہا کہ میرے باپ نے اس سے فرمایا "وَلِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ" یعنی دُعا میں تمام مسلمانوں کو بھی شریک کرو۔ حضرت امامؒ کی علالت کی خبر بغداد سے روزانہ خلیفہ کے پاس بھیجی جاتی تھی۔

حضرت امامؒ بستر مرگ پر ہیں۔ زبان سے بول نہیں سکتے۔ موت سے پہلے وضو کرایا جاتا ہے۔ انگلیوں میں خلال کرنا سہواً رہ جاتا ہے، فوراً ہی اشارہ کرتے ہیں اور جب تک یہ سُنّت ادا نہیں ہو جاتی ہے حضرت امامؒ کو چین نہیں آتا۔

الغرض بارھویں ربیع الاوّل سنہ ۲۴۱ھ مطابق ۳۱ جولائی ۸۵۵ء یوم جمعہ کو بغداد میں حضرت امام اہل السُّنّۃ والجماعتؒ نے ۷۷ برس کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تمام بغداد اور اس کے اطراف میں حشر برپا ہو گیا۔ خلقت کا بے انتہا ہجوم تھا۔ الحسن بن محمد الخلال نے کہا کہ میں نے عبدالوہاب الورّاق سے سُنا۔ "مَا بَلَغَنَا اَنَّ جَمْعًا کَانَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَالْاِسْلَامِ مِثْلَہٗ"[1] کہ زمانۂ جاہلیت و اسلام میں اتنی بڑی جماعت کسی جنازے پر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس وقت مختلف مقامات پر کھڑے تھے ان کی تعداد کا اندازہ دس لاکھ لگایا جاتا ہے صرف شہر پناہ کی دیوار پر ساٹھ ہزار عورتوں کا اندازہ لگایا گیا۔

ابو زرعہؒ کا بیان ہے کہ خلیفہ متوکل نے ان تمام مقامات کی پیمائش کرائی جہاں تک کہ لوگ حضرت امامؒ کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لئے

[1] ابو نعیم

کھڑے تھے۔ اس حساب سے حاضرین کی تعداد پچیس لاکھ تک پہنچتی ہے۔[1]
لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے اور پوچھتے تھے۔
"من اراد الوضوء"[2] کون لوگ وضو کرنا چاہتے ہیں؟
احمد بن الحسن المقانعی نے کہا کہ، میں اپنے ایک دوست کے باغ میں تھا کہ ناگاہ میں نے ایک نوجوان اور بوڑھے دیکھا، میں نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ تم اس شہر کے باشندے نہیں معلوم ہوتے؟ انھوں نے کہا کہ بیشک ہم جبل اللکام کے رہنے والے ہیں۔ حضرت امام احمدؒ کے جنازے کی شرکت کے واسطے آئے تھے۔ "وَمَابقی احد من الاولیاء الا حضرھا"[3] یعنی کوئی ولی اللہ ایسا باقی نہیں رہا جو جنازے کی شرکت کے لئے نہ آیا ہو۔
لوگوں کا چند دن قبر پر ازدحام لگا تھا۔ یہاں تک کہ ابو الحسن التمیمی کا بیان ہے کہ میں چند دن اس انتظار میں ٹھہرا رہا کہ قبر تک پہنچ سکوں مگر اس قدر زبردست مجمع تھا کہ ایک ہفتہ کے بعد میں قبر تک پہنچ سکا۔
حضرت امامؒ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ خلیفہ متوکل کہیں باہر گیا تھا۔ اس کی طرف سے ابن طاہر وزیر دو آدمیوں کے ساتھ کپڑے اور خوشبو لے کر آئے اور کہا کہ اگر امیر المومنین ہوتے تو یہی کرتے۔ میں نے کہا، امیر المومنین نے میرے والد کی حیات میں اُن باتوں سے ان کو معاف کر دیا تھا جن کو وہ ناپسند فرماتے تھے۔ اب اُن کی موت کے بعد میں بھی نہیں پسند کرتا کہ ایسی چیزیں استعمال کروں جن کو انھوں نے اپنی زندگی میں روا نہیں رکھا تھا۔ وہ واپس چلے گئے۔[4]

[1] ابو نعیم [2] ابو نعیم [3] ابو نعیم [4] ابو نعیم

ابن طاہر کی طرف سے لوگوں نے مجھے بہت مجبور کیا کہ ان کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دی جائے۔ آخر کار میں نے اس کو قبول کیا۔

اکابرِ امّت کی رائیں

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سنّت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب میں ضرب المثل[1] تھے۔ حضرت امام تمام ائمہ سلفؒ میں اپنی مخصوص فضیلتوں کی بنا پر ایک ہی شخص ہیں جن کو "امام اہل السُنّۃ والجماعۃ" کے لقب سے پکارا جاسکتا ہے"۔[2]

چنانچہ یہ مشہور قول ہے: اِذَا رَأَیتَ الرَّجُلَ یحبّ أحمد بن حَنبل فاعلَم انّہٗ صَاحِبُ سُنّۃٍ"۔ یعنی جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے محبّت رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنّت کا دل دادہ ہے۔

درَوقی نے کہا ہے: "من سمعتموہ یذکر اَحْمَد بن حنبل بسُوْءٍ فَاتّھمُوہ عَلَی الإسلامِ" جس شخص کو تم سُنو کہ وہ حضرت امام کو بُرائی سے یاد کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے اسلام میں شک ہے۔

ابو جعفر محمد بن دینار الموصلی نے کہا کہ ابن اعین نے حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

اَضحَی ابنُ حَنبل محنۃً مَأمُونَۃً — وبحبّ اَحمد یُعرَفُ المُتَنَسِّکُ
وَاِذَا رَاَیتَ لاحمَد مُتَنَقِّصًا — فَاعلَم بِاَنّ سُتُورَہٗ سَتُھتَکُ[3]

یعنی حضرت امام احمدؒ کی ذات ایک سچّی کسوٹی ہے۔ ان کی محبّت سے عبادت گزار پہچان لیا جاتا ہے۔ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اُن کی بُرائی کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کی پردہ دری ہوگی۔

---
[1] ابن خلکان [2] مولانا ابوالکلام آزاد [3] السبکی

عبداللہ بن محمد بن عبدالکریم کہتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہؒ کو کہتے سُنا "ما رَأت عَینی مِثل اَحمَد بن حَنبل" یعنی میری آنکھوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مانند کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ان سے کہا کہ کیا علم میں؟ فرمایا "فی العلو والزهد والفقه، وَالمَعرفَة، وکل خیر مارأت عینی مثله" [۱] یعنی علم میں، زہد میں، فقہ میں، معرفت میں اور تمام نیکیوں میں میری آنکھوں نے حضرت امامؒ کے مثل نہیں دیکھا ۔

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

صحیح اور موضوع حدیث کی امتیاز میں حضرت امامؒ کو بے انتہا ملکہ تھا ایک مُحدّث کہتا ہے کہ بس اگر حضرت امام احمدؒ اُس کی روایت کو صحیح مان لیں تو پھر وہ کسی دُوسرے کی تائید سے بالکل مستغنی و بے نیاز ہے [۲]۔

دو مجوسی عورتوں نے اپنا ایک ترکہ کا مقدّمہ مسلمان قاضی کے سامنے پیش کیا، جس عورت کے خلاف قاضی نے فیصلہ دیا، اس نے کہا: ان کنت قضیت عَلَیّ بقضاء احمد بن حنبل رضیت والا فانی لا ارضی" یعنی اگر قاضی نے حضرت امام احمدؒ کے فتوٰے کے مطابق میرے خلاف فیصلہ دیا ہے، تو مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اور اگر حضرت امام احمدؒ کی رائے کے خلاف فیصلہ ہُوا ہے تو میں اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوں۔

غیر مسلمین کو بھی حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر پُورا اعتماد تھا حضرت امام بہت ہی بڑے منصف اور حق پسند تھے۔ غیر مسلم کے ساتھ بھی حق کے خلاف نہیں کرتے تھے۔

حضرت امامؒ بے انتہا خود دار تھے کسی سے کبھی ایک حبّہ بھی لینا پسند

[۱] ابونعیم [۲] النووی

نہیں کیا۔ دُنیاوی نعمتوں کی طمع نے بہتوں کو جادۂ حق سے متزلزل کر دیا ہے خلیفہ المتوکّل ہر وقت اپنی دولت کو حضرت امامؒ کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ مگر حضرت امامؒ نے کبھی نظر اُٹھا کر بھی تو نہیں دیکھا۔ خلیفہ کی یہ تمنّا ہی رہی کہ حضرت امامؒ اس کی کوئی چیز تو قبول فرمالیں۔

حضرت امامؒ کا طرزِ معاشرت

حضرت امام بے انتہا سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ تھوڑی کاشتکاری کرتے جو غلّہ پیدا ہوتا وہ ضروریات کے لئے کافی سمجھتے۔ غلّہ کی زکوٰۃ برابر سالانہ ادا کیا کرتے[1]۔

اسحٰق بن ابراہیم نے حضرت امامؒ کے کھانے کو دیکھا، دو ٹکڑے روٹی، تھوڑی ککڑی کی ترکاری اور خفیف سا نمک تھا[2]۔ اسحٰق یہ دیکھ کر بہت متعجّب ہُوا۔

حضرت امامؒ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والد اکثر فرمایا کرتے کہ "اللہ تعالیٰ ابوالہیثم پر رحم فرمائے[3]۔ اللہ تعالیٰ ابوالہیثم کے گناہوں کو بخش دے!!" میں نے دریافت کیا، ابوالہیثم کون؟ فرمایا کہ جس دن جلّاد مجھ کو دُرّے مارنے لے جارہے تھے۔ ایک شخص مجھے راستے میں ملا اور مجھ سے کہا کہ میں مشہور چور ہوں۔ بارہا میں نے چوری کی۔ بے انتہا سزائیں پائیں کم سے کم اٹھارہ ہزار دُرّے تو میری پیٹھ پر پڑے ہوں گے، مگر میں اپنی عادت سے باز نہ آیا۔ جب قید خانے سے چھوٹتا سیدھا چوری ہی کے واسطے جاتا۔ محض دُنیا کے لئے میں نے ان دُرّوں کو برداشت کر لیا۔ تم دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی محبّت میں دُرّوں کی پروانہ کرنا۔

[1] تذکرہ [2] المقریزی [3] تذکرہ

میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب دُنیا کے واسطے ایک چور اس قدر استقامت دکھائے تو افسوس ہے ہم پر کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے واسطے ذراسی سختی بھی برداشت نہ کر سکیں۔

عبادت

عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد رات دن میں تین سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں تازیانے کی ضربوں سے بے حد کمزور ہو گئے تھے۔ پھر بھی رات دن میں ڈیڑھ سو رکعت پڑھا کرتے، سات دن میں ایک قرآن مجید ختم کرتے۔ بعد نمازِ عشا تھوڑی دیر سو رہتے۔ پھر اُٹھ کر صُبح تک نماز پڑھا کرتے تھے[۱]

حضرت امام بے انتہا تنہائی پسند تھے۔ صرف جماعت کی نماز کے واسطے باہر تشریف لاتے یا جنازے کی شرکت یا مریض کی عیادت کے واسطے جاتے۔ بازاروں میں گھومنے کو ناپسند فرماتے۔ طرطوس اور یمن پیدل تشریف لے گئے۔ پانچ مرتبہ حج ادا کیا۔ جن میں سے تین حج پیدل کئے[۲] اور ہر حج میں بیس درہم خرچ کئے[۳]

میں نے حضرت امامؒ کی زندگی کے نہایت مختصر حالات جمع کئے ہیں۔ متّبعینِ سُنّت جو حضرت امامؒ کے مفصّل حالات سُننے کے ہمہ تن مشتاق ہیں، افسوس کریں گے کہ میں نے اختصار کیوں کیا۔ ناواقف متحیّر ہو کر پوچھیں گے کہ میں نے غلو سے کام تو نہیں لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امامؒ کی زندگی جُراُتِ حق اور اتّباعِ سُنّت کے واسطے ضرب المثل ہے۔ تاریخ عالم اس بے نظیر شخصیّت پر ہمیشہ فخر کرے گی۔ اس پیکرِ حق و صداقت کے حالات پڑھ

---

[۱] ابونعیم [۲] ابونعیم [۳] ابن خلکان

کہ طبیعت یہی چاہتی ہے کہ سلسلۂ واقعات کسی طرح ختم ہی نہ ہو۔ یہ مقدس سیرت ہماری قوم کے واسطے ہمیشہ کے لئے مشعلِ ہدایت ہے اور خودداری استقامت، جرأت، اتباعِ کتاب و سنّت ہمدردی اور عفو کا زرّیں مجموعہ ہے۔ مامون، معتصم اور واثق فنا ہو گئے ان کے ظلم و جور کے خونی کارنامے انسانیت کے لئے باعثِ ننگ و عار ہیں۔ بعد والی نسلیں ان کو پڑھ کر نفرت کرتی ہیں طبیعت میں جذبہ انتقام جوش مارتا ہے۔ افسوس! دنیا نے اپنے بہترین فرزندوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے لیکن وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ حضرت امام محبوبِ قلوبِ مومنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کارنامۂ علم و عمل کو حیاتِ ابدی عطا فرمائی ہے۔

"تازیانے کی ضربوں نے حضرت امامؒ کے ایمان کو شدائد و محن کی کسوٹی پر جانچا۔ وہ ایسا خالص نکھرا جیسے سونا آگ سے نکل کر ہو جاتا ہے۔ اس آزمائش سے حضرت امامؒ کی محبّت و وقعت ہمارے دلوں میں بے انتہا بڑھ گئی حضرت امامؒ کی بے مثل زندگی کا مطالعہ ہمارے قلوب میں اعمالِ صالحہ کا شوق و ولولہ پیدا کرتا ہے۔ حضرت امامؒ کی پیروی ہمارے لئے باعثِ نجات ہے اور اربابِ بدعت کے لئے ایک درسِ ہدایت ہے ؎

جَمَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ وَحُبُّكَ فِيْ قَلْبِيْ وَذِكْرُكَ فِيْ فَمِيْ، فَأَيْنَ تَغِيْبُ؟

یعنی، تیرا جمال میری آنکھوں میں سمایا ہے، تیری محبّت میرے قلب میں جاگزیں ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر جاری ہے، اے مجموعۂ خوبی تو ہرگز ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

شیخ علی جواد

إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ ط

كِتَابُ الصَّلٰوة

وَمَا يَلْزَمُ لَهَا

○

مُصَنِّفَہ

حامیِ دینِ متین، مُحیِ سُنّتِ سیّد المرسلین حضرت امام احمد
ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ

◎

مترجمہ:

شیخ علی جوّاد صاحب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَنْ اَحْیٰی سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ

جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس
نے مجھ سے محبّت کی وہ میرے ساتھ بہشت میں ہو گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاضی ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **طبقات** میں مہنا بن یحیی الشامی (شاگرد حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ ہم سے مبارک نے روایت کی، مبارک نے کہا ہم سے ابراہیم نے روایت کی، ابراہیم نے کہا ہم سے ابن عمیر نے روایت کی، ابن عمیر نے کہا ہم سے طیب نے روایت کی طیب نے کہا ہم سے احمد القطان السہمی نے روایت کی، احمد القطان السہمی نے کہا کہ ہم سے سہل التستری نے روایت کی، سہل التستری نے کہا کہ مہنا بن یحیی الشامی نے ہمارے سامنے پڑھ کر روایت کی۔

سبب تالیف کتاب

یہ کتاب نماز کے بارے میں اور نماز کی عظمت کے بیان میں، اور جو باتیں نماز کے کامل ہونے کے لئے لازمی ہیں، اور جو نماز کے احکام کے متعلق ہیں جن کی مسلمانوں کو بہت سخت ضرورت ہے، ان کے بیان میں ہے۔ کیونکہ نماز کو بہت خفیف سمجھا ہے، نماز کے حقوق کو برباد کرتے ہیں اور نماز میں امام پر سبقت کرتے ہیں۔

اس کتاب کو حضرت ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جماعت کے پاس بھیجا جن کے ساتھ حضرت ممدوح نے کوئی نماز پڑھی تھی۔

امام پر سبقت کرنے سے نماز نہیں ہوتی

مسلمانو! میں نے تمہارے ساتھ نماز پڑھی، میں نے تمہاری مسجد میں ان لوگوں کو دیکھا جو رکوع و سجود میں اور اُٹھنے اور جُھکنے میں اپنے امام پر سبقت کرتے ہیں حالانکہ جو شخص نماز میں امام پر سبقت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی، اس بارہ میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار وارد ہیں۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ " وہ شخص جو امام سے پہلے اپنے سر کو اُٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے " یہ وعید اس وجہ سے ہے کہ اس نے نماز میں خرابی کی، اس لئے اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اگر اس کی نماز ہوتی تو اس کو ثواب کی امید ہوتی اور اس عذاب کا ڈر نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سا بنادے۔

مقتدی سجدہ کرنے کے واسطے نہ جُھکیں جب تک کہ امام اپنی پیشانی سجدہ کے واسطے زمین پر نہ رکھ دے

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " اَلْاِمَامُ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ " یعنی امام تم سے پہلے رکوع کرے اور تم سے پہلے سر بھی اُٹھائے۔ براء بن عازب رضؓ نے فرمایا کہ، ہم لوگ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے پس جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قومہ سے سجدہ کے لئے جُھکتے تھے تو ہم میں سے کوئی شخص بھی اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا جب تک کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی

لہ حَدَّثَنِی الْبَرَآءُ وَھُوَ غَیْرُ کَذُوْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ لَمْ یَحْنِ اَحَدٌ مِّنَّا ظَھْرَہٗ حَتّٰی یَقَعَ (باقی ۵۵ پر)

پیشانی مُبارک کو سجدہ میں زمین پر رکھ نہیں لیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں کھڑے رہتے تھے جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ اکبر" کہتے ہوئے سجدے کے لئے جُھکتے اور زمین پر اپنی پیشانی مُبارک رکھ دیتے تھے، اس وقت تک صحابۂ کرامؓ قومہ میں کھڑے رہتے۔ اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے لئے سجدے کے واسطے جُھکتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے فرمایا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سجدہ کر کے) سیدھے کھڑے ہو جاتے اور ہم لوگ سجدے ہی میں رہتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو امام سے سبقت کرتا تھا۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تو نے نہ تو تنہا ہی نماز پڑھی اور نہ امام کے پیچھے جماعت سے۔ پس جس شخص نے نہ تو تنہا ہی نماز پڑھی اور نہ امام کے پیچھے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو امام پر سبقت کرتا تھا یعنی امام سے پہلے ارکان ادا کرتا تھا۔ فرمایا: کہ تو نے نہ تو اکیلے ہی نماز پڑھی اور نہ امام کے ساتھ جماعت سے پھر اس

(بقیہ نوٹ ص۵۴) النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُوْدًا بَعْدَهٗ (بخاری)

براءؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہا کرتے تھے یعنی رکوع سے کھڑے ہوتے ہوئے تو ہم میں سے کوئی اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا نہ کرتا یعنی سب کھڑے رہتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم بھی سجدہ میں جاتے۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ جب امام سجدہ میں جا چکے تو اس کے بعد مقتدی سجدے میں جائے۔

کو مارا اور حکم دیا کہ پھر نماز پڑھے۔ پس اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی نماز ہو جاتی تو اس کو پھر سے نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔

ابن حطان عبداللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے نماز پڑھائی۔ ایک شخص نے جو پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہا کہ تم نے نماز کو نیکی اور زکوٰۃ کے ساتھ ملا دیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کس شخص نے ان کلمات کو کہا تھا۔ قوم نے سکوت کیا ابوموسیٰؓ نے پھر پوچھا تو لوگوں نے پھر سکوت کیا۔ ابوموسیٰؓ نے کہا کہ اے حطان شاید تو نے کہا تھا۔ حطان نے جواب دیا کہ قسم ہے خدا کی۔ میں نے ہی کہا تھا میں نے تو صرف اس غرض سے کہا تھا کہ مجھے اس کے ذریعہ سے آپ کافی تعلیم دے دیں گے۔ ابوموسیٰؓ نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو جو تم نماز میں کہتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز سکھائی اور ان کلمات کو بھی سکھایا جو ہم نماز میں پڑھیں۔

مقتدی اس وقت تک اللہ اکبر کہنا شروع نہ کریں جب تک کہ امام کے اللہ اکبر کی آواز ختم نہ ہو جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب امام اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب امام قرات کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ کہے تو سب لوگ آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں نفع دیگا اور جب امام اللہ اکبر کہے اور رکوع کرے تو تم اللہ اکبر کہو اور رکوع کرو اور جب امام رکوع سے سر اُٹھائے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم لوگ اپنے سروں کو اُٹھاؤ اور سب لوگ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ اللہ تعالیٰ تمھاری دُعا

سُنے گا۔ پس جب امام "اللہ اکبر" کہے اور سجدہ میں جائے تو تم اللہ اکبر کہو اور سجدہ میں جاؤ اور جب امام (سجدے سے) سر اُٹھائے اور اللہ اکبر کہے تو تم اپنا سر سجدے سے اُٹھاؤ اور "اللہ اکبر" کہو، تب تمہاری نماز درست ہوگی۔ اور جب امام قعدہ میں ہو تو تم اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ یعنی پورا تشہد عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک پڑھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا" (یعنی جب (امام) اللہ اکبر کہے، تو تم اللہ اکبر کہو) کے معنی یہ ہیں کہ تم سب انتظار کرو، یہاں تک کہ امام اللہ اکبر کہہ لے اور اپنی تکبیر سے فارغ ہو جائے اور اس کی آواز ختم ہو جائے، پھر تم اس کے کہنے کے بعد اللہ اکبر کہو۔ لوگ ان احادیث کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور ان سے ناواقف رہتے ہیں۔ باوجود ان احادیث کے عام لوگ نماز کو خفیف اور ہلکا سمجھتے ہیں۔ جونہی امام نے اللہ اکبر کہنا شروع کیا، مقتدی بھی اس کے ساتھ ساتھ اللہ اکبر کہنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ مقتدیوں کو مناسب نہیں ہے کہ اللہ اکبر کہنا شروع کریں جب تک امام اللہ اکبر نہ کہہ لے اور اپنی تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے اور اس کی آواز ختم نہ ہو لے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: اِذَا کَبَّرَ الْاِمَامُ فَکَبِّرُوْا (یعنی جب امام اللہ اکبر کہہ لے تو تم اللہ اکبر کہو) کے بھی یہی معنی ہیں۔ امام اللہ اکبر کہنے والا نہیں کہا جائے گا جب تک کہ وہ پورا لفظ اللہ اکبر ختم نہ کر لے۔ امام کے اللہ اکبر کہنے کے بعد مقتدی اللہ اکبر کہیں۔ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کا بھی اللہ اکبر کہنا خطا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ترک

کردیتا ہے، کیونکہ جب تم یہ کہو کہ "جب فلاں شخص نماز پڑھ لے تو تم اس سے بات کرنا" اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اس کا انتظار کرو، جب وہ نماز پڑھ لے اور نماز سے فارغ ہو جائے تب تم اس سے بات کرنا، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اس سے بات کرنا شروع کر دو جبکہ وہ نماز پڑھ ہی رہا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "اِذَا کَبَّرَ الْاِمَامُ فَکَبِّرُوْا" (یعنی جب امام اللہ اکبر کہہ لے تب تم اللہ اکبر کہو) کے یہی معنی ہیں۔

امام اللہ اکبر کو خوب کھینچ کر نہ کہے

اور بعض مرتبہ امام ناسمجھی سے اللہ اکبر کو خوب کھینچ کر کہتا ہے اور وہ شخص جو امام کے ساتھ ہی اللہ اکبر کہنا شروع کر دیتا ہے، وہ بغیر کھینچے ہوئے اللہ اکبر کہتا ہے۔ اس وجہ سے وہ امام کے اللہ اکبر ختم کرنے سے پہلے ہی اللہ اکبر ختم کر دیتا ہے۔ پس اس مقتدی نے امام سے پہلے اللہ اکبر ختم کر دی اور جو شخص امام سے پہلے نماز میں داخل ہوتا ہے، اس کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ مبارک کہ "اِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا" (یعنی جب امام اللہ اکبر کہے اور رکوع میں جائے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور رکوع میں جاؤ) کے یہ معنی ہیں کہ تم امام کا انتظار کرو، جب امام اللہ اکبر کہہ لے تب تم اللہ اکبر کہو، اور جب امام رکوع کر لے تب تم رکوع میں جاؤ۔ امام کی آواز ختم ہو جاتے تک مقتدی کھڑے رہیں۔ اس کے بعد مقتدی امام کی پیروی کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ مبارک "فَاِذَا رَفَعَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَارْفَعُوْا رُؤُسَکُمْ وَقُوْلُوا اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" (یعنی

جب امام رکوع سے سر اُٹھائے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تب تم لوگ اپنے سروں کو اُٹھاؤ اور اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو) کے یہ معنی ہیں کہ امام کا انتظار کرو اور رکوع میں ٹھہرے رہو، جب امام اپنا سر اُٹھائے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ لے، اس کی آواز ختم ہو جائے اس وقت تک مقتدی رکوع ہی کی حالت میں رہیں۔ پھر اس کے بعد کھڑے ہوں اور اپنے سروں کو اُٹھائیں اور اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں۔

امام کی آواز ختم ہو جانے تک مقتدی کھڑے رہیں، اس کے بعد سجدہ میں جائیں

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک " وَاِذَا کَبَّرَ وَسَجَدَ فَکَبِّرُوْا وَاسْجُدُوْا" (یعنی جب امام اللہ اکبر کہے اور سجدہ میں جائے تب تم اللہ اکبر کہو اور سجدہ میں جاؤ) کے یہ معنی ہیں کہ تم قومہ میں اس وقت تک کھڑے رہو جب تک امام اللہ اکبر کہہ لے اور سجدہ کے لئے جُھکے اور زمین پر اپنی پیشانی رکھ دے اور مقتدی کھڑے ہی رہیں، اس کے بعد مقتدی امام کی پیروی کریں۔ براء بن عازبؓ سے اسی طرح سے حدیث مروی ہے اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ مبارک " اَلْاِمَامُ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَسْجُدُ قَبْلَکُمْ" (یعنی امام تم سے پہلے رکوع کرے اور تم سے پہلے سجدہ میں جائے) کے مطابق ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ مبارک " وَاِذَا کَبَّرَ وَرَفَعَ رَاْسَہٗ فَارْفَعُوْا رُءُوْسَکُمْ وَکَبِّرُوْا" (یعنی جب امام اللہ اکبر کہہ لے اور اپنا سر

اُٹھائے تم اپنا سر اُٹھاؤ اور اللہ اکبر کہو، کے یہ معنی ہیں کہ سجدہ میں مقتدی ٹھہرے رہیں پھر اس کے بعد امام کی پیروی کریں اور اپنے سروں کو اُٹھائیں۔

مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، اگر وہ رکوع میں اور سجدہ میں اور اُٹھنے میں اور جُھکنے میں امام پر سبقت کریں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مُبارک " فَتِلْكَ بِتِلْكَ " کے یہ معنی ہیں کہ قیام کی حالت میں تمہارا امام کا انتظار کرنا، یہاں تک کہ وہ اللہ اکبر کہہ لے اور رکوع کر لے اور تم کھڑے ہی رہو، پھر تم نے اس کی پیروی کی ہو اور رکوع کی حالت میں تمہارا امام کا انتظار کرنا، یہاں تک کہ وہ سر اٹھائے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہہ لے اور تم رکوع ہی کی حالت میں ہو، اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہہ لے اور اس کی آواز ختم ہو جائے اور تم رکوع ہی کے اندر ہو۔ پھر تم نے اس کی پیروی کی ہو اور اپنا سر اُٹھایا ہو، اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہا ہو۔ پس تمہارے ارکان ہر مرتبہ اُٹھنے میں اور جُھکنے میں امام کے ارکان کے بعد ہوں۔ یہ سب تمھارا طریق عمل نماز کو پُورا کرنے والا ہے۔ اس کو سمجھو، اس پر غور و فکر کرو اور اس پر سختی سے عمل کرو، اور اس بات کو جان لو کہ مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ اگر وہ رکوع میں اور سجدہ میں اور اُٹھنے میں اور جھکنے میں امام پر سبقت نہ کریں۔

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ نماز پڑھیں گے لیکن ان کی نماز نہ ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "لوگوں

پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ نماز پڑھیں گے، لیکن ان کی نماز نہ ہو گی" اور میں ڈرتا ہوں (حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانے کو کہتے ہیں) کہ یہ وہی زمانہ نہ ہو۔ میں نے سینکڑوں مسجدوں میں نماز پڑھی۔ میں نے نمازیوں کو نہیں دیکھا کہ وہ اس طرح سے نماز پڑھتے ہوں جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز پڑھی ہے پس لوگو! اللہ سے ڈرو اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی نمازوں کا خیال رکھو۔

اچھی طرح سے نماز پڑھنے والا اگر بری طرح سے نماز پڑھنے والے کو نہ روکے گا تو اس کے گناہ میں شریک ہو گا۔

ایک شخص اپنی نماز نہایت حسن و خوبی سے ادا کرتا ہے اور اس کے آداب ارکان کا خیال رکھتا ہے۔ پھر اس نے ایسے شخص کو دیکھا جو اپنی نماز برے طریقے سے ادا کرتا ہے اور اپنے امام پر سبقت کرتا ہے اور یہ دیکھ کر خاموش رہتا ہے اور اس کو اس سے نہیں روکتا ہے اور اس کو نصیحت نہیں کرتا ہے تو وہ اس کے گناہ میں شریک ہوتا ہے۔

اچھی طرح سے نماز پڑھنے والا اگر بری طرح سے نماز پڑھنے والے کو نہ روکے گا اور نہ نصیحت کرے گا تو وہ اس بری طرح سے نماز پڑھنے والے کا شریک سمجھا جائے گا۔

حضرت بلال بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ گناہ جب پوشیدہ ہو تو، اس کا ضرر و نقصان اس کے کرنے والے ہی تک محدود رہتا ہے اور جب گناہ ظاہر ہو جائے اور اس کو نہ روکا جائے تو اس کا ضرر سب کو پہنچتا ہے کیونکہ ان لوگوں

نے گناہ کرنے والے شخص کو منع کرنے سے گریز کیا جوان کے واسطے لازمی تھا۔
وہ عالم جو جاہل کو نہیں سکھاتا گنہگار ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَيْلٌ لِّلْعَالِمِ مِنَ الْجَاهِلِ حَيْثُ لَا يُعَلِّمُهُ" (یعنی اس عالم کی تباہی اور بربادی ہے جو جاہل کو نہیں سکھاتا ہے) پس اگر جاہل کی تعلیم امام پر واجب، لازم و فرض نہ ہوتی تو عالم کے سکوت سے اس پر تباہی اور بربادی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نفل کے ترک کرنے سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو بس فرض کے چھوڑ دینے سے مؤاخذہ کرے گا۔ پس جاہل کی تعلیم عالم پر فرض ہے، اسی لئے عالم کے سکوت سے اور جاہل کی تعلیم چھوڑ دینے سے عالم پر تباہی اور بربادی ہے۔

لوگو! جاہل کی تعلیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ اس کی تعلیم عالم پر فرض ہے، واجب، لازم ہے اور اس کا تارک خطاوار و گنہگار ہے۔ اس لئے سب مسجد والوں کو حکم دو کہ وہ نماز کو اچھی طرح سے پڑھیں اور اس کو پوری طرح سے ادا کریں۔ امام کے اللہ اکبر کہنے کے بعد وہ اللہ اکبر کہیں اور ان کا رکوع و سجود اور اٹھنا، بیٹھنا امام کے اللہ اکبر کہنے کے بعد ہو۔ نماز کا کمال یہی ہے اور یہ لوگوں پر لازم ہے۔ اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

یہ کس قدر تعجب خیز ہے کہ آدمی اپنے مکان میں ہو، اذان سُنے اور گھبرا کر کھڑا ہو جائے، نماز کے پڑھنے کی تیاری کرے (نماز کے سوا اس کی کوئی اور نیت نہ ہو)۔ کبھی برسات کی رات میں گھر سے نکلے، کپڑوں میں کیچڑ لگ جائے اور اگر گرمی کی رات ہو تو رات کی تاریکی میں بچھو اور کیڑے مکوڑے کا

اندیشہ ہو۔ باوجود اس کے شاید بیمار ہو، کمزور ہو، پھر بھی مسجد کو جانا نہیں چھوڑتا ہے اور نماز کی خاطر ان تمام باتوں کو برداشت کرتا ہے، نماز کو ترجیح دیتا ہے اور اس سے محبت رکھتا ہے اور اسی کے لئے قصد کرتا ہے، اس کا مکان سے نکلنا اور کسی دوسری غرض سے نہیں ہے۔ پس جب امام کے ساتھ نماز شروع کرتا ہے، شیطان اس کو دھوکا دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ رکوع میں، سجود میں، بیٹھنے میں، اُٹھنے میں، امام سے سبقت کرتا ہے، شیطان چاہتا ہے کہ اس کا عمل رائیگاں ہو جائے اور اس کی نماز باطل ہو، تاکہ جب وہ مسجد سے نکلے تو (امام پر سبقت کرنے کی وجہ سے) اس کی نماز بالکل ضائع ہو جائے۔

امام پر سبقت کرنا نادانی ہے، اس لئے کہ مقتدی امام سے پہلے نماز سے فارغ نہیں ہو سکتا

پھر تعجب یہ ہے کہ سب لوگ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص امام پر سبقت کرتا ہے اس کو نماز سے فارغ ہونے کا حق اس وقت تک نہیں ہے جب تک امام فارغ نہ ہو جائے۔ چنانچہ سب لوگ امام کے سلام کا انتظار کرتے ہیں مگر باستثنائے معدودے چند، سب ہی لوگ رکوع میں، سجود میں، اُٹھنے میں بیٹھنے میں، امام پر سبقت کرتے ہیں، اور یہ فعل ان کا شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، نماز کو خفیف سمجھتے ہیں اور اس کو معمولی جانتے ہیں، اسلام سے ان کا بس اسی قدر حصّہ ہے۔

جس شخص نے نماز ترک کر دی اس کا اسلام میں کچھ حصّہ نہیں ہے

حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے نماز ترک کر دی اس کا اسلام میں

کچھ حصہ نہیں)۔ جو شخص کہ نماز کو ہلکا سمجھتا ہے اور اس سے بے پروائی کرتا ہے وہ اسلام کو بھی خفیف سمجھتا ہے اور اس کی توہین کرتا ہے پس جس قدر نماز سے رغبت ہوگی اسی قدر اسلام سے رغبت ہوگی۔ ان کو نماز میں ذوق ہوگا۔ اسی قدر ان کو اسلام میں انہماک ہوگا اور جس قدر ان کو نماز سے رغبت ہوگی، اسی قدر ان کو اسلام سے رغبت ہوگی۔

اے بندۂ خدا! اپنے نفس کو جان اور اس بات سے پرہیز کر کہ تو اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے کہ تیرے نزدیک اسلام کی کوئی قدر نہ ہو۔ پس جس قدر تیرے قلب میں نماز کی عزّت ہوگی اسی قدر تیرے قلب میں اسلام کی عزّت ہوگی۔

نماز اسلام کا ستون ہے۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ نماز اسلام کا ستوُن ہے۔ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جب خیمہ کی چوبیں گر جاتی ہیں تو خیمہ گر جاتا ہے۔ طنابیں اور میخیں اس کو کچھ فائدہ نہیں دیتیں اور جب خیمہ کی چوبیں قائم رہتی ہیں تو طنابیں اور میخیں اس کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ یہی نماز کی مثال اسلام میں ہے۔ لوگو! اس پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور عقل عطا فرمائے۔ اور نماز کو دل لگا کر توجّہ سے پڑھا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے نماز کے معاملہ میں ڈرو، اور آپس میں نماز کے معاملہ میں ایک دُوسرے کی مدد کرو اور ایک دُوسرے کو تعلیم کے ذریعہ سے اس بارے میں خیر اندیشی کرتے رہو اور غفلت و نسیان سے بچانے کے لئے آپس میں ایک دُوسرے کو نصیحت کرتے رہو۔

نماز تمام نیکیوں میں افضل ہے

اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں مدد دیتے رہو اور ظاہر ہے کہ نماز تمام نیکیوں میں افضل ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " دین کی سب سے پہلی چیز جو تم سے جاتی رہے گی وہ امانت ہے اور سب سے پچھلی چیز جو تم سے جاتی رہے گی وہ نماز ہو گی، اور ایسے لوگ نماز پڑھیں گے جن کو اس میں کچھ حصّہ نہ ہو گا۔"

قیامت میں نماز کی سب سے پہلے پرسش ہو گی

حدیث شریف میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلا سوال جو بندہ سے پُوچھا جائے گا، وہ نماز کے متعلق ہو گا، اگر قبول ہوئی تو اس کی وجہ سے اس کے سارے عمل قبول ہو جائیں گے، اور اگر اُس کی نماز رد کر دی گئی تو اس کے سارے عمل رد کر دیئے جائیں گے۔ ہماری نماز ہمارا آخری دین ہے۔ قیامت کے دن ہمارے اعمال میں سے نماز ہی کے بارے میں سب سے پہلے سوال ہو گا پس نماز کے جاتے رہنے کے بعد نہ اسلام ہے اور نہ دین۔ اور سب سے پچھلی چیز جو اسلام سے جاتی رہے گی، وہ نماز ہے۔ جس چیز کا اخیر جاتا رہا اس کا سب جاتا رہا۔ پس لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ تم اپنے دین کے آخری حصّہ کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ نماز میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے دین جاتا رہتا ہے۔ نماز کی عظمت کرو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے! اور بہت مضبوطی کے ساتھ اس کی محافظت کرو اور اس کے پابند رہو اور نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے خاص طور سے ڈرتے رہو اور بقیہ امُور میں عام

طور سے۔

اللہ تعالیٰ نے اکثر جگہ نماز کے ذکر کو طاعات میں مخصوص کیا ہے

اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں نماز کے درجہ کو بلند کیا ہے، اس کے معاملے کو عظمت دی ہے اور نمازیوں کو مشرّف کیا ہے اور قرآن مجید میں اکثر جگہ نماز کے ذکر کو طاعات میں مخصوص کیا ہے اور خاص طور سے اس کی ہدایت کی ہے۔ منجملہ ان تمام مقامات کے جہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کو طاعات کے اندر خاص طور سے ذکر فرمایا ہے، ایک یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان تمام نیک اعمال کا ذکر فرمایا، جن کی وجہ سے بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا واجب ہوتا ہے تو ان اعمال کو نماز سے شروع کیا ہے اور ان اعمال کو جو بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا واجب کرتے ہیں، نماز کے بیچ میں دو مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ" (ان مومنین نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں) ان کی مدح کرنے کے بعد ان مومنین کی صفتوں میں سے نماز کو پہلے بیان فرمایا۔ پھر پاک و صاف اور پسندیدہ اعمال کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ یہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (قرآن مجید) (اور جو لوگ اپنی امانتوں کا اور اپنے عہدوں کا خیال رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہی لوگ بہشت کے وارث ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے)۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کے کرنے والوں کے لئے بہشت کی ہمیشگی کو واجب کیا ہے اور ان اعمال میں نماز کے ذکر کو دو مرتبہ بیان کیا ہے۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں پر عیب لگایا ہے اور ان کو "لوم (بدبختی)" اور" ھلع (یعنی جلد بازی)" اور" جزع (یعنی گھبراہٹ)" اور منع خیر (بھلائی سے روکنا)" کی طرف منسوب کیا۔ صرف نمازیوں کو ان میں سے مستثنےٰ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝ (قرآن شریف پارہ ۲۹ سورہ معارج۔ رکوع ۱)

بیشک آدمی بے صبر پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حدِ اباحت سے زیادہ) جزع و فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے۔

پھر نمازیوں کو مستثنیٰ کیا اور فرمایا: "اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝ " (مگر ان لوگوں کا ہرگز ایسا حال نہیں) جو نماز گزار ہیں اور وہ اپنی نماز کو کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ اور جن کے مالوں میں (منہ پھوڑ کر) مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا ایک حصہ معین (مقرر) ہے]

پھر ان کے اچھے اور پسندیدہ اعمال کا ذکر فرمایا کہ: "وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِشَھٰدٰتِھِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ " (اور وہ جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں)

اور اس بیان کو ان کی اس تعریف کے ساتھ ختم کیا کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور فرمایا: " وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ ۝ " (اور وہ جو اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں' (بس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے)۔

ان بزرگ اعمال کے کرنے والوں کو جنت کا مستحق ٹھیرایا اور ان اعمال

کے شروع اور آخر پر نماز ہی کا ذکر فرمایا۔ پس ان اعمال کا ذکر تمام طاعتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ کیا اور تمام طاعتوں میں سے صرف نماز کا ذکر علیحدہ کیا حالانکہ نماز بھی طاعت میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ" (اے پیغمبرؐ!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے رہو)

نماز کے خود بھی پابند رہو اور اپنے اہل و عیال کو بھی نماز کی تاکید رکھو

پس تلاوت قرآن مجید میں تمام طاعات کا عمل اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذکر آگیا، مگر نماز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا اور فرمایا، اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (کچھ شک نہیں کہ) نماز بے حیائی (کے کاموں) اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی (رہتی) ہے۔ اور نماز کی خاص کر ترغیب دلائی اور فرمایا "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ" (پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، رکوع ۸) (اور اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید رکھو اور (خود بھی) اس کے پابند رہو، ہم تم سے کچھ روزی تو طلب کرتے نہیں (بلکہ) ہم تم کو روزی دیتے ہیں۔)

پس حکم دیا کہ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دو اور نماز کی تکالیف پر صبر کرو۔ پھر تمام مومنین کو طاعت کے ذریعہ سے مدد مانگنے کا حکم دیا اور اس کو صبر کے ساتھ ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ" (پارہ ۱، بقرہ۔ رکوع ۵)۔ اور مصیبت کی برداشت کے

لئے) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو، اور البتہ نماز شاق ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں)۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے امانت دار اور خلیل حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کے بارے میں خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ" (پارہ ۱۷۔ سورۃ انبیاء۔ رکوع ۵)۔ (ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ! ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی (کی موجب) بن (کہ ان کو کسی طرح کی ایذا نہ پہنچے چنانچہ ایسا ہی ہوا)

پھر اس کے بعد فرمایا: "وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَوٰةِ" (اور ان کی طرف نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی بھیجی)

پس سب نیکیوں کا ذکر مجمل طریقہ سے کیا اور وہ تمام بھلائیاں، تمام طاعات کا بجالانا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنا ہے اور نماز کا ذکر علیحدہ کیا اور اس کو خاص طور سے حکم دیا۔

اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا: "وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَوٰةِ وَالزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا" [۱] (اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے رہتے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں مقبول تھے۔) اسی آیت میں نماز سے ابتدا فرمائی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نجی اللہ کے ذکر میں فرمایا: هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ [۲] "(اے پیغمبرؐ! کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ کی خبر بھی پہنچی ہے۔)

اس کے بعد فرمایا: "إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ

---

[۱] پارہ ۱۶۔ سورۃ مریم۔ رکوع ۴ [۲] پارہ ۱۶۔ سورۃ طٰہٰ۔ رکوع ۱

الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ۝[۱] (ہم ہی اللہ ہیں، ہمارے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہماری ہی عبادت کیا کرو اور ہماری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔) "فَاعۡبُدۡنِیۡ" کے لفظ میں تمام طاعتوں کا بجالانا اور گناہوں سے بچنا مجمل طریقہ سے آگیا۔ مگر نماز کا علیحدہ ذکر فرمایا اور اس کا خاص طور سے حکم دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَالَّذِیۡنَ یُمَسِّکُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ[۲] (اور جو لوگ (تورات) کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں)۔ تمام طاعات کو بجالانا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنا، "تمسک بالکتاب" میں آگیا۔ پھر نماز کا ذکر خاص طور سے کیا اور فرمایا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (یعنی نماز کو دل لگا کر توجہ سے پڑھتے ہیں)۔ اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے عذاب مقرر کیا ہے ان کو اور گناہوں کے ذکر سے قبل نماز کے برباد کرنے کی طرف منسوب فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ ہے کہ "فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّہَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ۝[۳]"

(پھر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی۔ پس یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے)۔

پس اتباع شہوات کے اندر سب معاصی آگئے اور نماز کے برباد کر دینے کی وجہ سے سب گناہوں کی طرف منسوب فرمایا۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے نماز کی عظمت و بزرگی کو بیان کیا اور تمام اعمال پر اس کو مقدم رکھا اور تمام احکام کے ساتھ خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا اور باقی نیک اعمال کا عام طور سے۔

---

[۱] پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، رکوع ۱۔ [۲] پارہ ۹، سورۂ اعراف [۳] پارہ ۱۶، سورۂ مریم، رکوع ۴

رسُول اللہؐ نے اپنی وفات کے وقت نماز کی آخری وصیّت فرمائی۔
اس سے ظاہر ہوا کہ نماز کی شان بہت بلند ہے اور اس کا حکم بہت اہم اور نماز ہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے نبوّت کے ساتھ اپنے رسُول کو ہر عمل اور ہر فرض سے پہلے حکم دیا اور نماز ہی ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی وفات کے وقت آخری حکم دیا اور فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی الصَّلٰوۃِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ (اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! نماز کے بارے میں اور لونڈی غلام کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں) یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ان لوگوں کو آخری وصیت تھی۔
حدیث شریف میں ہے کہ ہر نبی نے اپنی اُمت کو نماز کی آخری وصیّت کی اور دُنیا سے جاتے وقت آخری عہد و پیمان نماز ہی کا لیا۔
دُوسری حدیث شریف میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی وفات کے وقت فرما رہے تھے: "اَلصَّلٰوۃَ! اَلصَّلٰوۃَ" (یعنی نماز! نماز!!) لہٰذا نماز پہلا فرض ہے جو مسلمانوں پر مقرّر ہوا اور یہی آخری وصیّت ہے جس کا حکم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کو دیا اور آخری صفت ہے جو اسلام سے جائے گی۔ اور یہی پہلا عمل ہے جس کی قیامت کے دن بندہ سے پُرسش ہوگی۔ نماز اسلام کا ستون ہے۔ اس کے جانے کے بعد نہ اسلام ہے اور نہ دین
لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو!! اپنے تمام کاموں میں عموماً اور نماز میں خصُوصاً اور مضبُوطی کے ساتھ نماز کی پابندی کرو، اور اس کو برباد کرنے سے اور خفیف سمجھنے سے اور امام پر سبقت کرنے سے پرہیز کرو اور شیطان کے بہکانے سے بچو، وہ تم کو نماز سے محروم رکھے گا۔ یہ تمہارے دین کا آخری حصہ ہے۔ جس کے دین کا آخری حصہ جاتا رہا، اس کا کُل دین

چلا گیا۔

امام آدابِ نماز کا خیال رکھے اور سکون و وقار سے ادا کرے۔

اے بندۂ خدا! امام کو بھی سمجھا دو کہ وہ آدابِ نماز کا خیال رکھے اور سکون و وقار سے ادا کرے تاکہ مقتدی بھی سکون و وقار سے رکوع اور سجدہ کر سکیں۔ میں نے فلاں دن تمہارے ساتھ نماز پڑھی۔ رکوع میں اطمینان سے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ نہ کہہ سکا اور نہ سجدہ میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہہ سکا، اس وجہ سے کہ امام نے جلدی کی، نہ خود اطمینان سے نماز ادا کی اور نہ اطمینان سے مقتدیوں کو ادا کرنے دی، اس نے جلدی کی اور مقتدیوں کو بھی جلدی میں ڈالا۔

حُسن و خوبی سے نماز ادا کرنے کا ثواب

لوگوں کو چاہیئے کہ امام کو اچھی طرح سے سمجھا دیں کہ امام جب حُسن و خوبی کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اس کو اپنی نماز کا اجر ملتا ہے اور ان تمام مقتدیوں کی نماز کا ثواب ملتا ہے جو اس کے پیچھے ادا کرتے ہیں۔

ادائیگی نماز میں امام کی جلدی سے نقصان

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی سات مرتبہ کہنا کامل درجہ ہے اور پانچ مرتبہ متوسط درجہ ہے اور تین مرتبہ ادنٰی درجہ ہے۔ پس رکوع میں کم سے کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنا چاہیئے اور سجدہ میں کم سے کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی امام کو مناسب نہیں ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے میں جلدی کرے۔ یا اس میں سُرعت کرے، بلکہ پورے اطمینان اور

سکون کے ساتھ ادا کرے، کیونکہ جب امام سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہنے میں جلدی کرے تو مقتدی اچھی طرح سے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى نہ کہہ سکیں گے۔ اگر امام جلدی کرے گا تو مقتدی بھی جلدی کریں گے اور امام پر سبقت کریں گے اس لئے ان کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام پر سب مقتدیوں کا گناہ عائد ہو گا اور جب امام جلدی نہیں کرے گا اور سکون و اطمینان کے ساتھ پوری طرح سے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہے گا تو مقتدی بھی اطمینان کے ساتھ ادا کریں گے اور جلدی نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں امام نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا اس پر کچھ گناہ نہیں اور نہ اس پر کچھ بوجھ ہے۔ امام کو سمجھا دو کہ جب رکوع سے سر اٹھائے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے اور قومہ میں سیدھا کھڑا رہے۔ یہاں تک کہ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہہ لے، وہ اطمینان سے سیدھا کھڑا رہے نہ جلدی جلدی کہے اور سرعت نہ کرے اور اگر رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ پر اضافہ کرے اور کہے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ" تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تھے تو فرماتے تھے۔ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَامُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَايَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ" (اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لئے تعریف ہے آسمانوں بھر، اور زمین بھر، اور اس کے بعد جس بھر تو چاہے، اے میرے اللہ! جو تو دے اس کا کوئی روکنے والا اور جو تو روکے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور تونگر و عظمت والے کی تونگری و عظمت

تیرے سامنے فائدہ نہیں دیتی (بلکہ جو تو چاہے وہی ہوتا ہے)۔
(راوی کا بیان ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم "الجد" کو کھینچ کر پڑھتے تھے)۔

یہ وُہ دعا ہے جس کا دل سے شوق آج لوگوں میں نہیں ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب رکُوع سے سر اُٹھاتے تھے تو اتنی دیر تک قومہ میں کھڑے رہتے تھے کہ لوگ سمجھتے تھے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھُول گئے۔ آج لوگوں کو اس کی جانب رغبت و شوق نہیں ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ رکوع سے سر اُٹھانے میں جلدی نہ کرے اور نہ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنے میں عجلت کرے بلکہ تمام کلام کو نہایت سکون و وقار کے ساتھ ادا کرے، نہ جلدی جلدی کہے اور نہ سرعت کرے کہ مقتدی اس کے ساتھ ساتھ کہیں۔ اور جب امام سجدہ سے اپنا سر اُٹھائے تو اعتدال کے ساتھ بیٹھے اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اتنی دیر تک ٹھہرے کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ اطمینان کے ساتھ کہہ سکے، یہانتک کہ مقتدی امام کو پالیں قبل اس کے کہ دُوسرا سجدہ کیا جائے اور پہلے سجدے سے سر اُٹھانے میں جلدی نہ کرے کہ لوٹ کر فوراً ہی سجدہ کرلے، ایسا نہ ہو کہ امام کی جلدی کی وجہ سے مقتدی بھی جلدی کریں اور امام پر سبقت کر جائیں اور ان کی نماز جاتی رہے تو امام پر ان کا گناہ بھی عائد ہو۔ مقتدی اس وقت ٹھہریں گے اور جلدی نہ کریں گے جب کہ وہ جانیں گے کہ امام بھی ٹھہرے گا۔

امام مقتدیوں کا راعی (نگران) ہے۔

حدیث شریف میں ہے ہر نمازی راعی (یعنی نگران) ہے، اس سے اس

چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا جس کی وہ نگرانی کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام اپنے مقتدیوں کا راعی ہے۔ لہٰذا امام کے لئے کس قدر ضروری ہے کہ اپنے مقتدیوں کی خیر خواہی کرے اور ان کو رکوع اور سجود میں امام پر سبقت کرنے سے منع کرے اور یہ بھی سمجھائے کہ

مقتدی کا رکوع و سجود و قیام وقعود امام کے ختم کرنے کے بعد ہونا چاہیئے

امام کے ساتھ ساتھ نہ رکوع کریں اور نہ سجدہ بلکہ مقتدیوں کو سمجھا دے کہ ان کا رکوع و سجود اور ان کا اُٹھنا اور جُھکنا امام کے ختم کرنے کے بعد ہو بمناسب یہ ہے کہ امام مقتدیوں کو ادب سکھائے اور ان کو اچھی تعلیم دے، کیونکہ وہ ان کا راعی یعنی نگران ہے اور قیامت کے دن اس سے اس کے مقتدیوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ امام کے لئے کس قدر ضروری ہے کہ وہ نماز نہایت حُسن و خوبی کے ساتھ ادا کرے اور تمام ارکان پُوری طرح بجا لائے اور اپنی ساری توجہ اس پر لگا دے کیونکہ اگر وہ حُسن و خوبی کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو اس کو مقتدیوں کی نماز کا بھی ثواب ملے گا۔ اور اگر امام بُری طرح سے نماز ادا کرے گا تو اس پر مقتدیوں کا بھی وبال ہو گا۔

اہلِ علم و فضل امامت کے واسطے سب سے زیادہ مستحق ہیں

مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے میں سے ان لوگوں کو امام بنائیں، جو بہترین ہوں اور دین دار اور افضل ان میں سے علم والے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

اس جماعت پر ہمیشہ ادبار و پستی رہے گی جس میں مقتدی امام سے افضل ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کی امامت کرے اور مقتدیوں میں اس سے افضل لوگ موجود ہوں تو وہ جماعت ہمیشہ ادبار و پستی میں رہے گی۔

حدیث میں ہے : " اِجْعَلُوْا اَمْرَ دِیْنِکُمْ اِلٰی فُقَهَآءِکُمْ وَ اَئِمَّتَکُمْ قُرَّآءَکُمْ "

(یعنی اپنے دین کے معاملات کو فقہاء کے سپرد کرو اور اپنے قاریوں کو اپنا امام بناؤ) اس حدیث میں "فقہاء" اور "قراء" کے معنی دین دار اور بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں، جو اپنی اور اپنے مقتدیوں کی نماز کا خیال رکھتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کی نمازوں میں خرابی ہوگی، تو ان کی نمازوں کا گناہ سب ان ہی پر عائد ہوگا۔

قاریوں کے معنی حافظِ قرآن کے نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف تو وہ شخص بھی حفظ کر لیتا ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا ہے اور نہ دین کے ساتھ توجہ کرتا ہے اور نہ قرآن مجید کے احکام کی اور نہ اپنے فرائض کی پابندی کرتا ہے۔

اگر لوگوں نے امامت کے واسطے لائق شخص کو منتخب کرنا چھوڑ رکھا ہے تو گویا نمازوں کو چھوڑ دیا ہے

حدیث شریف میں ہے سب سے زیادہ مستحق آدمی اس قرآن کا وہ ہے جو اس پر عمل کرے۔ اگرچہ وہ قاری نہ ہو۔ لوگوں میں امامت کے لئے وہ ہی مقدم ہے، اس وجہ سے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا علم رکھتا ہے اور

سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ یہ بات ان کے لئے واجب و لازم ہے۔ اگر لوگوں نے امامت کے واسطے قابل شخص کو منتخب کرنا چھوڑ دیا ہے تو گویا نمازوں کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ہمیشہ پستی اور بدبختی میں رہیں گے۔ ان کے دین میں نقص رہے گا، اللہ تعالیٰ سے اور اس کی خوشنودی سے اور جنت سے دوری رہے گی۔

پس اللہ تعالیٰ اس جماعت پر اپنا رحم کرے جو اپنے دین کا خیال رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں پر توجہ کرتے ہیں اور اپنے میں سے بہترین لوگوں کو امام بناتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے تقرب کو ڈھونڈتے ہیں۔

امام صف سیدھی کرائے اور تکبیر اُولیٰ کہنے سے پہلے دائیں بائیں منہ پھیر کر دیکھ لے

اے بندۂ خدا! امام کو سمجھا دو کہ نماز کے لئے جب اپنی جگہ پر کھڑا ہو تو تکبیر اُولیٰ اس وقت کہے جب دائیں بائیں مُنہ پھیر کر دیکھ لے۔ اگر صف ٹیڑھی پائے اور دیکھے کہ مقتدیوں کے کندھے برابر نہیں ہیں تو ان کو حکم دے کہ وہ اپنی صفیں سیدھی کریں اور کندھے برابر لیں۔ اگر صف میں مقتدی دُور دُور کھڑے ہوں تو ان کو حکم دے کہ آپس میں ایک دُوسرے کے قریب کھڑے ہوں، یہاں تک کہ ان کے کندھے ایک دُوسرے سے مل جائیں اور یہ خیال رکھو کہ صفوں میں ٹیڑھاپن اور کندھوں کا برابر نہ ہونا، نماز کو ناقص کر دیتا ہے، اس سے پرہیز کرو۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رَاصُّوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوا الْمَنَاكِبَ

وَسُدُّوا الْخَلَلَ لَا يَمُرَّ بَيْنَكُمْ مِثْلُ اَوْلَادِ الْحَذْفِ يَعْنِيْ مِثْلَ اَوْلَادِ الْغَنَمِ مِنَ الشَّيٰطِيْنَ"۔ (صف سیدھی رکھو جیسی سیسہ کی دیوار کندھوں کو مقابل میں رکھو اور بیچ میں فاصلہ نہ چھوڑو اور اس طرح سے آپس میں مل کر کھڑے ہو کہ شیطان بکری کے بچّہ کی طرح سے بیچ میں سے نہ گُزر سکے۔

رسُول اللہؐ کا صف بندی کا طریقہ

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب اپنی جگہ پر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے جب تک کہ دائیں بائیں منہ پھیر کر دیکھ نہ لیتے اور مقتدیوں کو اپنے کندھوں کے سیدھا کرنے کا حکم نہ دے لیتے۔ پھر یہ فرماتے کہ اختلاف نہ کرو (یعنی آگے پیچھے نہ کھڑے ہو) ورنہ تمھارے دلوں میں مخالفت پیدا ہوگی۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دن صف کی طرف نظر فرمائی۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے نکلا ہے تو فرمایا اپنے کندھوں کو برابر برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے دِلوں میں مخالفت پیدا کر دے گا پس تسویہ صفوف سے مطلب یہ ہے کہ مقتدی آپس میں سیدھے اور قریب قریب کھڑے ہوں، ایسا کرنا نماز کو کامل کرتا ہے اور اس کا چھوڑ دینا نماز میں نقص پیدا کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب امامت کے لئے کھڑے ہوتے تو اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہ کہتے جب تک کہ وہ آدمی جو صفوں کو سیدھا کرنے کے لئے مقرر تھا آکر خبر نہ دیتا کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ شروع کرتے۔

حضرت بلالؓ کا صف کو سیدھا کرنے کا طریقہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صفوں کو سیدھا کرتے تھے اور اپنے درہ سے مقتدیوں کی ایڑیوں پر مار دیتے تھے تاکہ وہ لوگ صفیں سیدھی کریں۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہدِ مبارک میں، نماز سے پہلے اقامت کہتے وقت ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت بلالؓ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی موقع پر اذان نہیں دی، سوا ایک مرتبہ کے جب کہ وہ ملک شام سے واپس آئے، لوگوں کو اُن کی اذان کی خوبی کا کچھ خیال نہیں رہا تھا۔

حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے اور صحابۂ کرامؓ نے حضرت بلالؓ سے اذان کے لئے کہا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی، جب اہلِ مدینہ نے حضرت بلالؓ کی آواز سُنی، ان کو اس قدر عرصہ کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آگیا۔ حضرت بلالؓ کی آواز نے ان کے دِلوں میں رسُول اللہ علیہ وسلم کی یاد کو تازہ کر دیا اور ان کے شوق کو بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ بعض صحابہؓ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ مبارک کے شوق میں پکار اُٹھے کہ قسم ہے ربِّ کعبہ کی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں پھر بھیجے گئے۔ حضرت بلالؓ کی اذان اور آواز نے لوگوں کے دلوں میں ہیجان پیدا کر دیا اور وہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے شدّت سے رونے لگے۔ حضرت بلالؓ کی آواز کو اور اذان کو پردہ نشین خواتین نے سُنا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے شوقِ دیدار کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکل پڑیں، اور جس وقت حضرت بلالؓ نے اَشْهَدُ اَنَّ

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو اذان سے رُک گئے اور اتنی قدرت نہ رہی کہ اذان پُوری کر سکیں۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق اور محبت سے بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت بلالؓ پر اور مہاجرین وانصارؓ پر رحم فرمائے اور ہم کو اور تم کو خلوص کے ساتھ ان کا پیرو بنائے۔

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی نماز کو مضبوط کرو، اور نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ یہ تمہارے اُوپر واجب ہے اور تمہارے لئے ضروری، اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو ان کی پیروی کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نصیب ہوگی اور جنت میں ہمیشگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (پارہ ١١۔ سورۂ توبہ۔ رکوع ١٢) ترجمہ: {اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ اُمت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اُس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے} پس مہاجرین و انصارؓ کی پیروی قیامت تک ہر مسلمان پر واجب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو دو مرتبہ سکوت فرماتے تھے۔ اوّل تکبیر تحریمہ کے بعد خاموش رہتے تھے۔ دوم جب قرأت ختم کر چکتے تھے تو رکوع سے پہلے تھوڑی دیر سکوت فرماتے تھے اور سانس لے

لیتے تھے۔ اکثر امام اس کے خلاف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قراءت سے فارغ ہوتے تھے تو سکوت فرماتے تھے۔

امام قراءت ختم کرنے کے بعد رکوع سے پہلے سانس لے لے تاکہ قراءت اور رکوع میں فصل ہو جائے۔

اے بندۂ خدا! تم بھی اپنے امام کو سمجھا دو کہ جب قراءت ختم کر چکے تو قیام میں سیدھا کھڑا رہے اور سکوت کرے اور رکوع سے پہلے سانس لے لے اور قراءت کو رکوع کی تکبیر سے نہ ملائے (یعنی قراءت ختم ہوتے ہی فوراً اسی سانس میں رکوع میں جانے کے واسطے اللہ اکبر نہ کہے بلکہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑا سا سکوت کر کے اللہ اکبر کہے تاکہ قراءت اور رکوع کی تکبیر میں وصل نہ ہو جائے۔

لوگوں کو بلا وجہ ایک اور عادت پڑ گئی ہے کہ جب وہ قومہ سے سجدہ کے لئے جاتے ہیں تو باوجود اس کے کہ وہ قوی اور طاقت ور اور مضبوط ہوتے ہیں اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھنے سے پہلے ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دیتے ہیں اور جب سجدہ سے اُٹھتے ہیں یا التحیاتُ پڑھ کر اُٹھتے ہیں تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھانے سے پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر سے اُٹھاتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے اور اتفاق فقہاء کے خلاف ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جب قیام سے سجدہ کے لئے جُھکیں تو پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھ دیں۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھیں، پھر پیشانی کو رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایسا ہی ہے۔

لہٰذا اپنے اماموں کو ایسا سمجھا دو۔ اور جن کو تم اس کے خلاف کرتے دیکھو

ان کو منع کر دو، ان کو سمجھا دو کہ اپنے دونوں پاؤں کے پنجوں کے بل اٹھیں اور اپنے دونوں پاؤں میں سے کسی کو آگے پیچھے نہ کریں۔ کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ اُٹھتے وقت قدموں کو آگے پیچھے کرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔

نمازی کے لئے یہ مستحب ہے کہ اس کی نگاہ سجدہ کے مقام پر ہو۔

اور نمازی کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس کی آنکھ اس کے سجدہ کے مقام پر ہو۔ اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف نہ اُٹھائے، اور نہ اِدھر اُدھر دیکھے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نماز کو قطع کر دیتا ہے

اور جب سجدہ کرے تو اپنے ہاتھوں کی اُنگلیوں کو اپنے کانوں کے مقابل رکھے اور اُنگلیوں کو آپس میں ملا کر قبلہ رُخ رکھے۔ کہنیوں کو، اور بازوؤں کو کھلا ہوا رکھے اور ران دونوں کو اپنے پہلوؤں سے ملا کر نہ رکھے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو اگر بکری کا کوئی چھوٹا سا بچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا۔ کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنیوں کو اور بازوؤں کو بہت علیحدہ علیحدہ رکھتے تھے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے بازوؤں کو ملا کر نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اور تم پر رحم فرمائے سجدوں کو اچھی طرح سے ادا کرو اور ذرا سی بات بھی نہ چھوڑو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ اپنے سات[1] عضو پر سجدہ کرتا ہے پس

[1] عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت (باقی بر صفحہ ۸۳)

جس عضو کا سجدہ نہ ہو گا، وہ عضو ہمیشہ اس پر لعنت بھیجے گا۔ اور مناسب یہ ہے کہ جب رکوع کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ دے اور انگلیاں جُدا جُدا کھُلی ہوں اور ہتھیلیوں سے گھٹنوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور اپنی پیٹھ برابر رکھے، اور سر کو نہ اُٹھا رکھے اور نہ جُھکا ہُوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب رکوع کرتے تھے تو اگر پانی کا بھرا ہُوا پیالہ پشتِ مبارک پر رکھ دیا جاتا تو اپنی جگہ سے نہ چھلکتا، کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی پیٹھ سیدھی رکھتے تھے اور رکوع پُوری طرح سے ادا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، نماز نہایت حسن و خوبی کے ساتھ پڑھا کرو اور سجدہ کو پوری طرح سے ادا کرو۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ جب نماز اچھی طرح پڑھتا ہے تو یہ نماز اوپر کو چڑھتی ہے اور اس کے ساتھ ایک نور ہوتا ہے، جب وہ نماز آسمان کے دروازوں تک پہنچتی ہے اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنے نمازی کے لئے شفاعت کرتی ہے اور دُعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے، جس طرح تو نے میری حفاظت کی اور جب وہ بُری طرح سے نماز پڑھتا ہے، نہ

بقیہ از صفحہ ۸۲) ان اسجد علی سبعۃ ولا الف شعرا ولا ثوبا قال ابن طاؤس فکان ابی یقول الیدین والرکبتین والقدمین وکان یعد الجبھۃ والانف واحدًا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ مجھے سات اعضا پر سجدہ کرنے کا اور بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹنے کا حکم ہُوا ہے۔ ابنِ طاؤسؒ نے کہا میرے باپ کہتے تھے (سات اعضا یہ ہیں) دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں اور پیشانی اور ناک کو ایک ہی عضو شمار کرتے تھے (اس لئے کہ دونوں چہرے میں داخل ہیں)۔ (سنن ابن ماجہ)

رکوع ٹھیک طریقہ سے کرتا ہے اور نہ سجدہ اچھی طرح سے کرتا ہے اور نہ اس کے آداب کی محافظت کرتا ہے، تو وہ نماز اُوپر چڑھتی ہے اور اس کے ساتھ ایک تاریکی ہوتی ہے، وہ بد دُعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ضائع کرے جس طرح تو نے مجھ کو ضائع کیا، جب وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچتی ہے، دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر پُرانے کپڑے کی طرح وہ لپیٹی جاتی ہے اور وہ اس نمازی کے مُنہ پر ماردی جاتی ہے۔

نمازی کے لئے مناسب ہے کہ جب وہ التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور انگوٹھے کے پاس والی انگلی قبلہ رُخ رکھے اور بیچ والی انگلی کا حلقہ بنائے اور باقی ۲ دو انگلیوں کو بند کرلے اور مستحب ہے کہ جب سُترہ[1] سامنے ہو تو اس کے قریب نماز پڑھے اور کوئی آدمی اس کے سامنے سے نہ گزرے۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص سترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے تو وہ سترہ کے قریب ہو جائے کیونکہ شیطان اسکے اور سترہ کے درمیان سے گزرتا ہے۔ لوگ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو منع کرنے میں تساہل کرتے ہیں۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو بہت بڑا گناہ ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو ہٹا دو۔ اگر وہ انکار کرے تو پھر ہٹا دو۔ پھر بھی اگر وہ انکار کرے تو اُس کو طمانچہ مارو، کیونکہ وہ شیطان ہے۔ اگر سامنے سے گزرنے والے کے لئے

---

[1] کوئی اونچی چیز جو آڑ کے واسطے نمازی اپنے سامنے رکھ لیتا ہے، اس کو سُترہ کہتے ہیں۔

اجازت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو طمانچہ مارنے کا حکم نہ فرماتے۔ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو بہت بڑا گناہ ہے، اور اس نمازی کو بھی گناہ ہے جو آگے سے گزرنے والے کو نہ روکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو یہ علم ہوتا کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو کس قدر گناہ ہے تو چالیس سال تک انتظار کرتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مروان بن حکم کے بھتیجے نے سامنے سے گزرنا چاہا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے اس کو منع کیا مگر اس نے پلٹنے سے انکار کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ وہ شکایت کرنے مروان کے پاس گیا جو اس وقت مدینہ کا حاکم تھا۔ حضرت ابوسعیدؓ بھی اس کے پیچھے ہی پہنچے۔ مروان نے کہا کہ تم نے اس کو طمانچہ مارا اور ابتدا بھی تم ہی نے کی۔ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو روک دیں اگر وہ انکار کرے تو پھر ہٹا دیں، پھر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو ہم اس کو طمانچہ ماریں، کیونکہ وہ شیطان ہے۔

انسان کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب وہ فجر کے لئے نکلے تو پہلے اپنے گھر پر دو رکعتیں پڑھ لے، پھر مسجد کو جائے اور مستحب ہے کہ فرض نماز تک اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ ان نمازوں کے درمیان بات چیت کرنی گناہ ہے، البتہ اگر کوئی ضروری بات چیت کرنی ہو، مثلاً جاہل کو تعلیم دینی ہو اور خیر خواہی کی بات ہو، اور نیک کام کے لئے حکم دینا اور برائی سے روکنا ہو تو بات کرنی جائز ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور فرض کا ثواب اللہ تعالیٰ کے نفل ذکر سے بڑھا ہوا ہے اور نفل قبول نہیں ہوتی جب تک کہ فرض ادا نہ کیا جائے۔

انسان کے لئے مستحب ہے کہ جب مسجد کی طرف جائے تو نہایت خوف اور دہشت اور خشوع و خضوع کے ساتھ چلے، رفتار میں سکون و وقار ہو جس قدر رکعتیں امام کے ساتھ ملیں ان کو پڑھے اور جو فوت ہو جائیں انھیں بعد میں پورا کر لے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے کہ مسجد جاتے وقت قریب قریب قدم رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر تکبیر تحریمہ پانے کے لئے کسی قدر چلنے میں تیزی کرے لیکن عجلت نہ ہونی چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب چلنے میں کسی قدر تیزی اختیار کرتے تھے۔ اگر یہ خوف ہوتا کہ تکبیر تحریمہ فوت ہو جائے گی اور تکبیر تحریمہ کے پانے کی ان کو خواہش ہوتی۔

لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، اس کو اچھی طرح سے سمجھ لو کہ جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد کو جاتا ہے تو وہ اللہ واحد، زبردست، جبّار، قہار کے حضور میں حاضر ہوتا ہے، اگرچہ وہ کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے، خواہ وہ ایک رائی کے دانہ کے برابر ہو، خواہ اس سے بھی چھوٹی ہو یا بڑی، خواہ وہ سات پردے زمین کے اندر ہو یا سات آسمان میں، سات سمندروں کے اندر ہو، یا سخت مضبوط سنگلاخ بلند پہاڑوں کی چوٹی میں ہو، اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے وہ اللہ کے گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہے۔ وہ گھر ایسے ہیں جن میں صبح و شام ایسے لوگ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت باز رکھتی ہے نہ خرید و فروخت

اور جو اس دن سے (یعنی قیامت سے) ڈرتے ہیں، جب کہ آنکھیں اور دل پلٹ جائیں گے۔

نماز پڑھنے کے واسطے اپنے گھر سے نکلے تو ادب کے ساتھ دُنیاوی حالات و مشاغل سے جن میں وہ پیشتر مصروف تھا، کنارہ کش ہو کر خدا کا دھیان کرتا ہوا چلے اور اطمینان و وقار کے ساتھ قدم اُٹھائے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی طرح سے حکم دیا ہے۔ وہ نہایت ہی شوق و خوف و عاجزی و انکسار کے ساتھ چلے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے کو حقیر و ذلیل و پست سمجھتا ہے اس کی نماز سب سے زیادہ پاک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے اور اس کو اللہ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے اور جب وہ غرور و تکبّر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور اس کے عمل کو رد کر دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ متکبّر و مغرور کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ ایک رات جاگتے رہے یعنی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ جب صبح ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کہا "نعم الربّ ربّ ابراھیم ونعم العبد ابراھیم" یعنی ابراہیمؑ کا پروردگار کس قدر اچھا ہے اور ابراہیم کیسا اچھا بندہ ہے۔ دُوسرے دن جب صُبح ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کسی کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کے واسطے نہیں پایا۔ حالانکہ ان کو یہ بات پسند تھی کہ کوئی شخص ان کے ساتھ کھانا کھائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کھانا لے کر راستے پر جا بیٹھے کہ جب کوئی راہ گیر دیکھیں تو اس کو کھانے میں شریک کریں۔ دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان سے کھانے کو

کہا۔ انھوں نے قبول کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کہا۔ ہمارے ساتھ اس باغ میں چلو، وہاں پانی کا ایک چشمہ ہے وہاں کھانا کھائیں۔ سب باغ میں آئے ناگاہ دیکھا کہ چشمہ خشک ہے پانی اس میں نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر یہ بات گراں گزری اور اپنے کئے پر پشیمان ہوئے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ چشمہ میں پھر پانی جاری ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی، مگر پانی جاری نہیں ہُوا۔ یہ بات اور بھی زیادہ گراں گزری۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرشتوں سے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو۔ ایک فرشتہ نے دُعا کی، چشمہ میں پانی آ گیا۔ پھر دُوسرے نے دُعا کی، چشمہ پانی سے لبریز ہو گیا۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو مطّلع کیا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے شرفِ قبولیت نہیں عطا فرمایا کہ انھوں نے رات کی عبادت پر غرور کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس کے احسانات کو یاد کرے

لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تکبّر و غرور سے بچو کیونکہ کوئی عمل تکبّر کے ساتھ قبول نہیں ہوتا ہے۔ اور اپنی نمازوں میں تواضع اور عاجزی اختیار کرو۔ جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز کے لئے کھڑا ہو، تو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو اور اس کی بے انتہا نعمتوں کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے تم کو عزّت بخشی اور تم نے گناہ کر کے اپنے آپ کو ذلیل کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے آگے بہت زیادہ گڑگڑائے اور اپنے آپ کو پست سمجھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس

وحی بھیجی کہ جب تو میرے سامنے کھڑا ہو تو حقیر و ذلیل کی طرح سے اپنے نفس کو مذمّت کرتا ہُوا کھڑا ہو۔ اس وجہ سے کہ نفس مذمّت کا مستحق ہے۔ جب تو دُعا مانگے تو مجھ سے اس حالت سے مانگ کہ تیرے اعضاء کانپ رہے ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بھی اسی طرح سے وحی بھیجی۔

پس اے برادرِ عزیز جب تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو تو تجھے کس قدر اپنے نفس کی مذمّت کرنی مناسب ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابن سیرینؒ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف و دہشت سے چہرے کی سُرخی جاتی رہتی۔ اور مسلم سے روایت ہے کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور نماز میں محویت کی وجہ سے کوئی آواز ان کو سُنائی نہ دیتی۔

عامر العبدی نے جو عامر بن عبد قیس کہلاتے تھے ایک سلسلۂ گفتگو میں جس کا ایک حصّہ یہ ہے، فرمایا کہ "میری گردن پر تلوار رکھ دی جائے، وہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ میں نماز پڑھنے کی حالت میں دُنیاوی کاموں کو سوچتا رہوں۔"

حضرت سعید بن معاذؓ نے فرمایا کہ "میں نے کبھی کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ جس میں مجھے دنیاوی باتوں کا خیال نماز پڑھنے کی حالت میں نماز ختم کرنے سے پہلے آیا ہو"

حضرت ابُو درداءؓ نے فرمایا کہ "میرے چہرے کا خاک آلود ہونا اللہ تعالیٰ کے سامنے ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کمال ہے اس لئے تم میں سے کوئی مٹی سے نہ بچے اور نہ مٹی پر سجدہ کرنے کو بُرا سمجھے، کیونکہ تم میں سے ہر شخص کو ایک دن مٹی میں ملنا ہے اور نہ تم میں سے کوئی پوری طرح سے

مٹی سے بچ سکتا ہے۔ انسان اس عجز و انکسار کی وجہ سے اپنی گلو خلاصی طلب کرتا ہے اور دوزخ کی آگ سے رہائی چاہتا ہے۔ اس آگ کے سامنے بڑے بڑے مضبوط اور سنگلاخ پہاڑ جو زمین کی میخیں بنائے گئے ہیں، نہیں ٹھہر سکتے اور نہ زمین جو مخلوق کے واسطے گھر ہے، اور نہ سات سمندر جن کی گہرائی کو اور نہ جن کی قدر کو سوائے اللہ تعالیٰ کے جو ان کو پیدا کرنے والا ہے کوئی دُوسرا جان سکتا ہے، پس کس طرح سے ہمارے ضعیف جسم اور ہماری نازک ہڈیاں اور ہماری پتلی کھالیں اس آگ کے عذاب کو برداشت کر سکتی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہم کو دوزخ کی آگ سے بچائے! ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہم کو دوزخ کی آگ سے بچائے!! ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہم کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اگر تم سے ہو سکے تو یہ سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہو لیکن اگر تم سے ایسا نہ ہو سکے تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈر کہ تو اس کو دیکھتا ہے، لیکن اگر تو اس کو نہ دیکھے تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حالات میں مسلمان کو یہ تاکید فرمائی ہے۔ پس نماز میں جب کہ وہ خاص جگہ اور خاص مقام میں اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے کھڑا ہو اور اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو تو اس وصیت کا اس کو کس قدر خیال رکھنا چاہیئے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کی جو کیفیت

اس کو نماز کے اندر حاصل ہے وہ کسی اور حالت میں حاصل نہیں ہوتی۔

نماز میں اللہ تعالیٰ کی بندہ کی طرف توجہ

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب نماز شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی طرف سے منہ نہیں پھیرتا ہے جب تک کہ وہ شخص اپنا مُنہ نہ پھیرے اور دائیں بائیں نہ دیکھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے اس کو تین باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اوّل نیکی آسمان کے کنارے سے لے کر اس کے سر تک پھیلتی ہے۔ دوم فرشتے اس کے قدموں سے لے کر آسمان کے کنارے تک اسے گھیرے رہتے ہیں سوم ایک پکارنے والا پکارتا ہے۔ اگر بندہ نماز کا ثواب جان لے تو نماز کو ختم ہی نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنی نماز خشوع و خضوع کے ساتھ شروع کرے اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتا ہو، اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہو اور اس کی طرف راغب ہو اور اس سے اچھی امید رکھتا ہو اور نماز میں اپنے پروردگار کے سامنے پوری توجہ سے کام لیتا ہو اور اسی سے مناجات کرتا ہو اور اسی کے سامنے قیام و قعود اور رکوع و سجود کرتا ہو اور اپنے قلب کو ان سب باتوں کے لئے خالی کر لیتا ہو، اور اپنے فرائض کے بجالانے میں کوشش کرتا ہو۔ وہ نہیں جانتا کہ اس نماز کے بعد پھر اس کو کوئی نماز نصیب ہوگی یا اس مقام پر پہنچنے سے پہلے دُنیا سے اُٹھا لیا جائے گا اور اس سے محروم رہ جائے گا، اس لئے خوف کرتا ہے اور نماز کی قبولیت کی امید رکھتا ہے اور عدم قبولیت سے ڈرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے

اس کو قبول فرمایا تو اس کی خوش نصیبی ہے اور اگر اس کو رد کر دیا تو یہ اس کی بد نصیبی ہے۔

اے میرے بھائی! نماز اور دیگر اعمال جو تجھ پر فرض ہیں، ان کے لحاظ سے اور رنج و غم و خوف کا جو بوجھ تجھ پر ہے اس کے اعتبار سے تیرا معاملہ کس قدر اہم ہے، تو نہیں جانتا کہ کبھی تیری نماز قبول ہو گی یا نہیں۔ تجھے نہیں معلوم کہ تیرا گناہ معاف ہو گا یا نہیں۔ پھر باوجود اس کے تو ہنستا ہے اور غفلت کرتا ہے اور تو اس زندگی کو نفع بخش سمجھتا ہے۔ حالانکہ تیرے پاس یقینی خبر آ چکی ہے کہ تو جہنّم پر پہنچنے والا ہے اور یہ یقینی خبر نہیں آئی کہ تو اس سے لَوٹنے والا ہے تو تجھ سے بڑھ کر رونے کا اور طویل غم کا کون زیادہ مستحق ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ پھر باوجود اس کے تو نہیں جانتا کہ اگر تجھ کو شام میسّر ہو گئی تو صُبح ہو گی، یا صبح نصیب ہو گئی تو شام ہو گی۔ آیا تجھ کو جنّت کی بشارت ہو گی یا دوزخ کی۔

برادرِ عزیز! بس میں نے تجھے اس اہم معاملہ سے آگاہ کر دیا ہے تیرے لئے واجب ہے کہ تو نہ اولاد پر خوش ہو اور نہ مال پر، بے حد تعجّب ہے اس اہم معاملہ کے متعلّق تیری طویل غفلت پر اور تیرے طویل سہو پر۔ حالانکہ تو ہر دن رات میں اور ہر پل اور ہر گھڑی میں سختی کے ساتھ (موت کی طرف) کھینچا جا رہا ہے۔ تیری موت ضرور آنے والی ہے، اس لئے اے برادرِ عزیز اس عظیم خطرہ سے تو غفلت نہ کر، جو تجھے گھیرے ہوئے ہے تجھ کو یقیناً موت کا مزہ چکھنا ہے اور اس سے دوچار ہونا ہے۔ شاید تیرے گھر میں صبح ہی کو آ جائے یا شام کو۔ اس کا آنا زیادہ آسان ہے۔ تجھ کو تیرے ملک سے نکال

دے اور تجھ سے سب کچھ چھین لے، اس کے بعد جنّت کی طرف لے جائیے یا دوزخ کی طرف، کہ جس کے حالات جُداگانہ ہیں اور جس کے واقعات کے ذکر سے اصلی کیفیت کا کچھ بھی اندازہ نہیں ہو سکتا۔

برادرِ عزیز! کیا تو نے اس نیک بندہ کا قول نہیں سُنا کہ میں تعجب کرتا ہوں کہ جہنّم سے بھاگنے والے کو کس طرح چین آتا ہے اور جنّت کا طلب کرنے والا کس طرح بے فکر ہو کر سوتا ہے۔ خدا کی قسم ہے اگر تو اس کی طرف دل سے متوجہ نہ ہُوا تو تو ہلاک ہو گیا اور تیری بڑی بدبختی ہے اور تیرا غم اور تیرا رونا ان بدبختوں کے ساتھ ہوگا، جن پر عذاب ہوگا۔

اگر تو گمان کرتا ہے کہ تو دوزخ سے بھاگنے والا ہے اور جنّت کا طالب ہے تو اس بارے میں اپنی استعداد کے مطابق کوشش کر، تاکہ دُنیاوی خواہشات تجھے دھوکے میں نہ ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو جان لے کہ اسلام تنزّل میں ہے اور اس کی حالت مضمحل ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "تزدلون فی کل یوم وقد اسرع بخیارکم" (یعنی تم ہر دن ذلیل ہوتے جاؤ گے اور تم میں سے اچھے آدمی اُٹھتے چلے جائیں گے)، رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا کما بدأ"[1]، یعنی اسلام کی ابتدا بےکسی اور غربت کی حالت میں ہوئی اور

---

[1] بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء (اسلام کی ابتدا بےکسی اور غربت کی مصیبتوں میں ہوئی اور قریب ہے کہ پھر ویسی ہی حالت اس پر طاری ہو جائے۔ پس بےکسوں کے لئے مبارکباد ہے) یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے لیکن ترمذی میں زیادہ تفصیل ہے "ان الدّین بدأ غریباً وسیعود غریباً

(باقی صفحہ ۹۴ پر)

قریب ہے کہ پھر ویسی ہی حالت اس پر طاری ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیر امتی الذین بُعِثت فیھم ثم الذین یلونھم والاٰخر شر الی یوم القیٰمۃ" (میری امت میں وہ لوگ بہترین ہیں جن کے زمانہ میں میں مبعوث ہوا۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں اور اس کے بعد قیامت تک شر ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یأتی زمان لایبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ولا من القراٰن الا رسمہ" (ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام ہی باقی رہ جائے گا اور قرآن مجید سے صرف اس کے حروف ہی

(بقیہ صفحہ ۹۳) کما بدأ فطوبٰی للغرباء وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی۔" یعنی دین کی ابتدا غربت سے ہوئی اور قریب ہے کہ پھر اس کی طرف پلٹ آئے پس مبارکباد ہے پردیسیوں اور بے یاروں کے لئے۔ یہی لوگ ہیں جو ان خرابیوں کو دور کریں گے جو لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دی ہونگی اور احمد اور طبرانی نے مرفوعاً روایت کی "طوبٰی للغرباء قلنا وما الغرباء قال قوم صالحون قلیل فی ناس سوء کثیر من یعصیھم اکثر ممن یطیعھم" فرمایا غرباء کے لئے مبارکباد ہے۔ ہم نے پوچھا: "غرباء" کون ہیں؟ کہا صالحوں کی ایک جماعت، بُرے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے۔

اس حدیث میں "غربۃ" اور "غریب" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں پردیسی اور بے خانہ و وطن کے۔ مقصود یہ ہے کہ اسلام کی ابتدا ہجرت کی مصیبتوں اور مظلومیوں سے ہوئی تھی۔ عروج و اقبال کے بعد پھر ویسا ہی زمانہ آنے والا ہے اس وقت حق مغلوب ہو جائے گا۔ لوگ قرآن و سنت کی راہ چھوڑ دیں گے، بدعات کا دور دورہ ہوگا۔ حق پر چلنے والے اور قرآن و سنت کی سچی اور خالص پیروی کرنے والے بوجہ قلت و بے چارگی کے ایسے ہو جائیں گے جیسے پردیسی بے یار و مددگار مسافر۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

حروف باقی رہ جائیں گے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ "انتم خیر من ابناء کم وابناؤکم خیر من ابنائھم وابناء ابناء کم خیر من ابنائہم والآخر شرالی یوم القیمۃ"۔ (تم اپنی اولاد سے بہتر ہو اور تمھاری اولاد اپنی اولاد سے بہتر ہے اور ان کی اولاد اپنی اولاد سے بہتر ہے اور اس کے بعد قیامت تک شر ہے)۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، ہم کیونکر ہلاک ہوں گے حالانکہ ہم اپنی اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا یہود ونصاریٰ توریت اور انجیل نہیں پڑھتے ہیں؟ صحابی نے عرض کیا ضرور پڑھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اس سے ان کو کیا فائدہ ہوا؟ صحابی نے عرض کیا، بے شک، کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ لوگ اپنے دین کے بارے میں عموماً اور نماز کے بارے میں خصوصاً نہایت ہی شدید بے پروائی کرتے ہیں۔ نماز کے بارے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ دو قسم کے لوگوں کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

ایک گروہ ان میں سے اہل ہوا دبدعت کا ہے جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں جمع ہونے کو حقیر جانتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو کافر ٹھہرانے اور اسلام سے خارج ہونے کا اتہام کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ لہو ولعب والوں کا ہے جو مے نوشی کی مجلسوں میں بیٹھتے اور بداعمالیاں کرتے ہیں۔

تیسرا گروہ اہل السُّنۃ والجماعت کا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں

میں جماعت سے نماز پڑھنے کو شروع ہی سے نہیں چھوڑتے ہیں۔ ان تین گروہوں میں سے یہ بہتر ہیں۔ یہ گروہ بھی سب کا سب بجز معدودے چند کے، باوجود اس اچھائی اور فضیلت کے نماز کے واجبات کو ضائع کئے ہوئے ہے، اس نے رکوع وسجود اور جھکنے اور اُٹھنے میں امام پر سبقت کر کے، یا امام کے ساتھ ساتھ ادا کر کے نماز کو ضائع کر دیا ہے، ان لوگوں کو مناسب ہے، کہ امام کے ہر رکن ادا کرنے کے بعد اس رکن کو ادا کریں۔

ہم کو ایسے شخص نے خبر دی جس نے ایّامِ حج میں مسجدِ حرام میں نماز پڑھی ہے، اس نے کہا کہ میں نے زیادہ آدمیوں کو مسجد حرام میں دیکھا کہ وہ امام پر سبقت کرتے ہیں۔ ایّامِ حج میں تمام اطراف سے یعنی خراسان و افریقہ و دیگر ممالک سے لوگ آتے ہیں اور خود ہم نے بھی ایسا ہی دیکھا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ خراسانی خراسان سے حج کرتے آتا ہے اور نماز میں اپنے امام پر سبقت کرتا ہے۔ اسی طرح شامی و افریقی اور حجازی وغیرہ وغیرہ سب امام پر سبقت کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ تعجّب یہ ہے کہ فضیلت کی طرف سبقت کرتے ہیں، اور فضیلت حاصل کرنے کے لئے جمعہ میں تڑکے ہی سے تکبیر و تہلیل وغیرہ میں لگ جاتے ہیں اور اس کی طلب میں ایک دُوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ثواب کی خاطر فجر کی نماز جامع مسجد میں پڑھتے ہیں اور برابر رکوع و سجود و قیام و قعود میں مصروف رہتے ہیں، اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نہایت ہی رغبت و شوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے ہیں اور اسی حالت سے عصر تک رہتے ہیں اور عصر سے مغرب تک دُعا کرتے رہتے ہیں۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے شیطان سے

دھوکا کھا کر سب کے سب امام پر سبقت کرتے ہیں اور شیطان اپنے داؤں کی وجہ سے ان پر غالب رہتا ہے اور فرض نماز جو اُن پر واجب و لازم ہے اس کے متعلق دھوکا کھاتے ہیں اور شیطان کے فریب میں آکر جہالت کی وجہ سے امام کے ساتھ ساتھ رکوع کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اُٹھتے ہیں اور جُھکتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب نوافل کے ذریعہ سے ڈھونڈتے ہیں، جو ان پر واجب نہیں ہے اور فرائض جو ان پر واجب اور لازم ہیں ان کو ضائع کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نفل کو قبول نہیں کرتا ہے تاوقتیکہ فرض نہ ادا کئے جائیں۔ صُبح اُٹھ کر جمعہ کی فضیلت حاصل کرنی ہو تو اصل کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل (فرض) ادا کرکے نفل سے مُستغنی ہو جاتا ہے اور اصل کھو کر نفل سے مستغنی نہیں ہوتا ہے۔ پس جو شخص اصل کو ضائع کر دیتا ہے تو وہ زوائد کو بھی ضائع کر دیتا ہے اور جو شخص زوائد کو ضائع کر دیتا ہے اور اصل کو مضبوطی کے ساتھ پکڑتا ہے تو وہ زوائد سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ زوائد طلب کرنے کی اور اصل کو کھو دینے کی مثال تاجر کی سی ہے۔ کیا تاجر اپنی تجارت میں کبھی محض منافع کا خیال کرکے خوش ہوتا ہے جب تک کہ اس کا راس المال یعنی اصل سرمایہ نہ مل جائے اور برابر اسی طرح سے منافع پر خوش ہوتا رہتا ہے اور راس المال سے غفلت رکھتا ہے پھر وہ جب اپنے راس المال پر نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ راس المال مع منافع کے ضائع ہو گیا۔ اب نہ راس المال ہے اور نہ منافع۔

اللہ تعالیٰ اس مسلمان پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی مسلمان کو امام پر سبقت

کرتے دیکھ کر یا امام کے ساتھ ساتھ رکوع یا سجدہ کرتے دیکھ کر یا تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں بُری طرح ارکان ادا کرتے دیکھ کر نصیحت کرے، اُس کو سکھائے اور اس کو اس سے روکے۔ اس امر پر خاموشی نہ اختیار کرے، کیونکہ اس کو نصیحت کرنا واجب و لازم ہے اور خاموش رہنا گناہ ہے، شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ تم ان باتوں سے خاموشی اختیار کرو، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ کہ تم نیکی و پرہیزگاری کے کام کے واسطے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چھوڑ دو، جن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے، اور باہمی نصیحت کرنی تم پر لازم ٹھہرائی ہے تاکہ تم گنہگار اور خطاوار ہو۔ دین مضمحل ہو جائے اور جاتا رہے، سنّت کو زندہ نہ کرو اور بدعت کو نہ مٹاؤ۔

پس اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، جن باتوں کا اس نے حکم دیا ہے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں آپس میں ایک دُوسرے کی مدد کرو اور ایک دُوسرے کی خیر خواہی کرو، اور شیطان کی اطاعت نہ کرو، کیونکہ شیطان تمہارا کُھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق قرآن مجید میں خبر دی ہے: "اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا" (قرآن مجید)

ترجمہ: (شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم بھی اس سے دُشمنی کرو)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ" (اے اولادِ آدم! شیطان تم کو فتنہ میں نہ ڈالے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ (آدم و حوّا) کو جنّت سے نکال دیا)۔

اور جان لو کہ مسلمانوں میں شرفاً و غرباً جو لوگ سوسائٹی میں بڑے مانے جاتے ہیں اور اپنے کو عقلمند سمجھتے ہیں تاکہ ان کا شمار اہل علم و فقہ و بصیرت میں ہو۔ انھوں نے اپنے فرائض کو بجالانا چھوڑ دیا، یعنی مسلمانوں کو نصیحت کرنا اور تعلیم دینا، ادب سکھانا، اچھائی کے لئے لوگوں کو کہنا، برائی سے روکنا اور انکار و تبدیل کرنا، کچھ انجام نہیں دیتے ہیں، جبکہ عام لوگوں نے کسی کو بجز شاذ و نادر کے اس کے متعلق کہتے سُنتے نہ پایا۔ تو وہ لوگ امام پر سبقت کرنے لگے اور ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی جو عالم اور فقیہ کہلاتے ہیں، وہ بھی نماز کے ساتھ بے پروائی کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو گئے۔

بے حد تعجب کی بات ہے کہ اہلِ علم نے ان جاہلوں کی پیروی کی اور ان ہی کے ساتھ اہلِ علم بھی رکوع و سجود اور اُٹھنے اور بیٹھنے میں امام پر سبقت کرنے لگے، یا امام کے ساتھ ساتھ ادا کرنے لگے اور فقہاء و علماء سے جو کچھ سُنا تھا اس کو ترک کر دیا۔ علماء پر واجب و لازم تھا کہ جاہلوں کو سکھاتے اور ان کو نصیحت کرتے اور ان کو روکتے۔ پس جو کچھ انھوں نے چھوڑ دیا۔ اس کے بارے میں وہ لوگ سخت گنہگار ہیں اور خائن ہیں کیونکہ وہ اس بُرائی میں (تعلیم نہ دیتے ہیں) اور فریب دہی اور چغل خوری اور فقیروں اور ضعیفوں کی تحقیر میں اور بہت سے دیگر گناہوں میں جو شمار سے باہر ہیں، جاہلوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ، اس عالم کی ہلاکت و بربادی ہے جو جاہلوں کو تعلیم نہ دے۔ پس جاہلوں کی تعلیم عالم پر واجب و لازم و ضروری ہے۔ جاہل کو نفل کی تعلیم نہ دینے پر عالم کی ہلاکت و بربادی نہیں ہوتی۔ اللہ

تعالیٰ نفل چھوڑ دینے پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو بس فرائض کے ترک پر مؤاخذہ فرمائے گا۔

بُرائی سے روکنے کا حکم

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو تم میں سے بُرائی دیکھے تو وہ ہاتھ سے اُس کو تبدیل کر دے، یعنی اپنی قدرت و اختیار سے اس کو روک دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنے قلب میں بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔

سب سے بڑا چور کون ہے؟

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" لوگوں میں سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔"

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نمازی اپنی نماز میں کس طرح سے چوری کرتا ہے؟ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ نماز کا چور وہ ہے جو اپنے رکوع و سجود کو پُوری طرح ادا نہیں کرتا ہے، نماز کے چور کو دیکھ کر اس کو نصیحت کرنا اور روکنا واجب ہے۔

اگر کوئی شخص ایک درہم چرائے تو کیا یہ بات بُری نہ ہو گی۔ کیا اس کو دیکھنے والے پر یہ واجب نہ ہوگا کہ اس کو منع کرے۔ پس نماز کا چور روپے کے چور سے بڑا ہے۔

نماز برباد کرنے والے کی اصلاح کا حکم

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو دیکھے کہ، وہ نماز کو برباد کر رہا ہے اور اس کو منع نہ کرے تو اس کے گناہ میں اور اس کے وبال

میں وہ بھی شریک ہوا۔

حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برائی جب چھپا کر کی جائے تو اس کا ضرر و نقصان اُسی بُرائی کرنے والے کو ہوگا اور اگر برائی علانیہ کی جائے اور وہ تبدیل نہ کی جائے تو اس کا ضرر و نقصان عام طور سے سب کو ہوگا۔ عوام کو اس وجہ سے نقصان ہوگا کہ انھوں نے اپنا فرض یعنی گنہگار کو منع کرنا چھوڑ دیا۔ اگر کوئی تنہا نماز پڑھتا ہے اور اس کو کوئی دیکھتا نہیں ہے اور اپنی نماز کو برباد کرتا ہے اور رکوع و سجود پوری طرح سے ادا نہیں کرتا ہے تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا، اور اگر لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور وہ نماز کو برباد کرتا ہے اور رکوع و سجود کو پوری طرح سے ادا نہیں کرتا ہے تو اس کا گناہ سب کو ہوگا۔

اے بندگانِ خدا اپنے تمام کاموں میں عموماً اور نماز میں خصوصاً اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے نفس پر خوفِ خدا کو مضبوط کر لو اور اپنے بھائیوں کو نماز کے بارے میں نصیحت کرتے رہو۔ کیونکہ نماز دین کا آخر ہے۔ لہٰذا اپنے دین کے آخر کو مضبوط پکڑو، جس کا تمھارے پروردگار نے تم کو خاص طور سے اور تمام طاعتوں کا عام طور سے حکم دیا اور تمام قول و قرار پر بہت مضبوطی سے جمے رہو، جس کو تمھارے پروردگار نے تم پر عام طور سے فرض کیا ہے اور جس کا عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے خاص طور سے لیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا سے انتقال فرماتے وقت آخری وصیت جو اُمت کو فرمائی وہ یہ ہے "اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ وَفِيمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (یعنی نماز کے بارے میں اور لونڈی غلام

کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو احدیث شریف میں ہے کہ نماز ہی آخری وصیت ہے جو ہر نبی نے انتقال فرماتے وقت اپنی امت کو کی اور نماز ہی ہے جو سب سے آخر میں اسلام سے جائے گی اور اس کے جانے کے بعد نہ اسلام باقی رہے گا، اور نہ دین۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے جس عمل کو پُوچھے گا وہ نماز ہی ہے۔ نماز اسلام کا ستون ہے، جب خیمہ گر جاتا ہے تو اس کو میخیں اور طنابیں کچھ فائدہ نہیں دیتی ہیں۔ اسی طرح سے نماز ہے کہ جب نماز جاتی رہے تو اسلام بھی جاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام طاعتوں میں نماز ہی کو خصوصیّت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور نماز ہی کو فضیلت سے منسوب فرمایا ہے اور تمام طاعتوں میں نماز ہی سے اور صبر سے اللہ تعالیٰ نے مدد طلب کرنے کا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے!

مساجد میں نماز قائم کرنے کی تاکید

جو لوگ مساجد میں نماز پڑھنے نہ آئیں، ان کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو، ان پر سختی کرو جب پیچھے رہ جائیں تو اپنے اختیار سے ان کو ایسا کرنے سے منع کرو۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اصلاح کرو۔ اور اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لو کہ تمھاری خاموشی جائز نہیں ہے کیونکہ نماز سے بچھڑنا سخت گناہ ہے۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَتُقَامُ ثُمَّ اُخَالِفُ اِلٰی قَوْمٍ فِیْ مَنَازِلِهِمْ لَا یَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَاُحَرِّقُهَا عَلَیْهِمْ"

(یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ نمازِ جماعت کی تکبیر کہنے کے لئے حکم دوں، جو لوگ جماعت کی شرکت کے لئے نہیں آتے ہیں ان کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں)۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز سے بچھڑنے والوں کو ان کے مکانات جلا دینے کی دھمکی دی۔ اگر نماز میں بچھڑنا سخت ترین گناہ نہ ہوتا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے مکانوں کے جلا دینے کو نہ فرماتے۔

مسجد کے پڑوسی کے لئے حکم

حدیث شریف میں ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا کہیں اور نہیں ہوتی۔ مسجد کا پڑوسی وہ ہے کہ اس کے گھر میں اور مسجد میں چالیس گھر کا فاصلہ ہو۔ پس نماز ہی اوّل فریضہ ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر فرض کیا گیا اور نماز ہی آخری وصیّت ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دُنیا سے انتقال فرماتے وقت اپنی امّت کو فرمائی۔ نماز ہی سب سے آخری چیز ہے جو اسلام سے جائے گی اور جس کے جانے کے بعد نہ اسلام باقی رہے گا اور نہ دین۔

جس نے مؤذّن کی اذان سُنی اور بغیر کسی عُذر کے مسجد میں نہ آیا تو اُس کی نماز نہ ہوگی

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے مؤذّن کی اذان سُنی اور بغیر کسی عُذر کے مسجد نہیں آیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

حضرت عمر بن الخطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو نماز میں نہیں پایا۔ اس کے مکان پر تشریف لے گئے اور آواز دی۔ وہ شخص مکان سے باہر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کس چیز نے تجھ کو نماز

سے روکا؟ اس نے عرض کیا امیر المومنین بوجہ بیماری میں نہ حاضر ہوسکا اگر میں حضور کی آواز نہ سُنتا تو باہر نہ نکلتا دیا اس نے عرض کیا کہ مجھے نکلنے کی قوّت نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تو نے نماز کے لئے اللہ تعالیٰ کے مؤذّن کی دعوت کو ترک کر دیا جس کی اطاعت میری اطاعت سے زیادہ ضروری تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ لوگوں کو نماز میں نہیں دیکھا، تو دریافت فرمایا کہ نماز میں کیوں بچھڑ گئے۔ ان لوگوں کے بچھڑ جانے کی وجہ سے دُوسرے لوگ بھی بچھڑ جایا کریں گے۔ ان کو مسجد میں حاضر ہونا چاہیئے۔ ورنہ میں ان کے پاس آدمی بھیجوں گا جو ان کی گردنوں میں زخم لگائے گا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ نماز میں حاضر ہو! نماز میں حاضر ہو!! نماز میں حاضر ہو!!!

حضرت عبداللہ رضی اللہ بن اُمّ مکتوم نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ میں بُڈھا ہوں، آنکھوں کی بصارت جاتی رہی ہے، گھر بہت دُور ہے اور مسجد تک آنے میں راستہ میں کھجوروں کے جُھنڈ ہیں اور نالا ہے۔ کیا حضورِ اقدس مجھے گھر ہی پر نماز پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کیا تم تک اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی نے عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا تو تم کو مسجد ہی میں آنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو جو نابینا تھے ضعیف تھے، مسجد سے فاصلے پر رہتے تھے۔ راستہ میں درختوں کے جھنڈ تھے نالا تھا، پھر بھی نماز سے بچھڑنے کی اجازت عطا نہیں فرمائی۔ لہٰذا اگر کسی کے

نماز سے بچھڑنے کا عذر قابلِ قبول ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو ضرور اجازت فرماتے۔

تو تم لوگ نماز سے بچھڑنے والوں کو ایسا کرنے سے منع کرو۔ اس لئے کہ ان کا گناہ نماز سے بچھڑنے میں بہت ہی زیادہ ہے۔ اگر تم ان کو نصیحت کرنا چھوڑ دو گے اور ان کو منع نہ کرو گے۔ درآں حالیکہ تم کو منع کرنے کی قدرت ہے تو تم بھی ان کے گناہ میں شریک ہو گے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں سے نماز پنجگانہ باجماعت ہے۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید

مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے گھر میں ایک ایک مسجد بنالی ہے لیکن اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے تو تم اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طریقہ کو چھوڑ دو گے اور اگر تم اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے طریقہ کو چھوڑ دو گے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور جو جماعت سے بچھڑ جاتے ہیں انکو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کرو اور اگر تم ان کو تاکید نہ کرو گے، تو تم گنہگار ہو گے۔ اور تم ان کے گناہوں کے بوجھ سے محفوظ نہیں رہو گے کیونکہ تم پر اپنے بھائیوں کو نصیحت کرنا واجب ہے اور برائی کا ہاتھ سے روکنا، اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے، تو زبان سے روکنا واجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قیامت کے دن ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے پڑوسی کو پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار اس نے میری خیانت کی۔ پڑوسی عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار! تیری عزّت وجلال کی قسم، میں نے نہ اس کے گھر کے لوگوں کے ساتھ خیانت کی ہے اور نہ اس کے مال میں، وہ عرض کرے گا۔ اے پروردگار! یہ سچ ہے لیکن اس نے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھا اور مجھ کو اس سے منع نہیں کیا۔ نماز سے چھوٹنے والا بہت بڑے گناہ میں گرفتار ہے۔ اس لئے تم ڈرو کہ قیامت کے دن وہ تم کو پکڑے۔ تم سے اس کا جھگڑا اللہ جلیل وجبّار کے سامنے ہو۔ آج کے دن اس کو نصیحت کرنا ترک نہ کرو، اگرچہ تم کو گالی دے اور تکلیف پہنچائے اور تم سے دشمنی کرے، کیونکہ آج کے دن اس کی دشمنی کل قیامت کے دن کے مؤاخذہ سے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑا کرنے سے اور اس بڑے مقام پر تمھاری دلیل کو باطل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ لہٰذا آج کے دن اللہ تعالیٰ کی راہ میں گالی کو برداشت کرو۔ عجب نہیں کہ قیامت کے دن پیغمبروں کے ساتھ اور ان کے دین کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ تم کو کامیابی ہو۔ پس اگر تم کسی کو نفل پڑھتے ہوئے دیکھو، جو قومہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا ہے۔ یعنی قومہ میں پورا کھڑا نہیں ہوتا ہے تم پر واجب ہے کہ اس کو تاکید کرو اور اس کو منع کرو اور اس کو نصیحت کرو، اگر تم اس کو نہیں سمجھاؤ گے تو تم برائی میں اور گناہ میں اور نماز کے برباد کرنے میں شریک ٹھہرو گے۔

ہر نفل نماز شروع کر دینے کے بعد واجب کے درجہ میں ہو جاتی ہے!

اچھی طرح سے سمجھ لو کہ یہ لوگوں کی جہالت ہے کہ تنہا نمازِ نفل پڑھتے ہیں، اور نہ پوری طرح سے رکوع کرتے ہیں اور نہ سجدہ، اور نہ قومہ میں اپنی پیٹھ سیدھی کرتے ہیں۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تو نفل ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہ کافی ہے۔ حالانکہ یہ نفل ادا نہیں ہوتی، کیونکہ جو شخص نفل شروع کرتا ہے تو اس کا تمام و کمال ادا کرنا اس پر واجب لازم ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے نفلی حج کا احرام باندھا (اور کسی وجہ سے نفل حج ادا نہ کر سکا) تو اس کی قضا اس پر واجب ہے۔ اگر احرام کی حالت میں شکار کیا تو اس پر کفّارہ واجب ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے نفل کا روزہ رکھا اور عصر کے وقت افطار کر دیا تو اس دن کی قضا اس پر واجب ہے۔

ایسے ہی اگر کسی نے فقیر کو ایک درہم خیرات میں دیا۔ پھر اس کو اس سے واپس لے لیا تو اس درہم کو فقیر کے پاس لوٹا دینا واجب ہو گیا۔

غرض ہر نفل شروع کر دینے کے بعد لازم ہو جاتی ہے، اور اس کا پوری طرح سے مضبوطی کے ساتھ ادا کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے کیونکہ جب اس نے نفل شروع کی تو اس کو اس نے اپنے اُوپر واجب کر لیا۔ اگر نفل نہ شروع کرتا تو اس کے اوپر کچھ عذاب نہ تھا۔

غرض جب تم کسی کو نفل یا فرض نماز پڑھتے دیکھو تو اس کو اچھی طرح سے ادا کرنے کی تاکید کرو۔ اگر تم اس کو تاکید نہیں کرو گے تو تم سب لوگ گنہگار ہو گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بچائے۔

بعض جاہل کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سہواً امام پر سبقت کر جائے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں۔ ان جاہلوں نے حدیث "لَيْسَ عَلٰى مَنْ خَلْفَ الْاِمَامِ سَهْوٌ" کی یہی تاویل کی ہے۔ یہ حدیث ضرور ہے لیکن اس کے معنی سمجھنے میں ان سے غلطی واقع ہوئی۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ، اگر کوئی شخص قعدہ بیٹھنے کے بجائے بھول کر کھڑا ہو گیا، یا قیام کے بجائے بھول کر قعدہ کیا، یا بھول گیا اور نہیں یاد کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت، یا بھول کر تکبیر چھوڑ گیا، تو اس سہو پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو یہ حدیث امام پر سبقت کرنے کے متعلق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا مہاجرین وانصارؓ سے بھول کر یا بغیر بھولے امام پر سبقت کرنے کے بارے میں کچھ نہیں آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "اَمَا يَخَافُ الَّذِيْ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهٗ رَأْسَ حِمَارٍ" (یعنی جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اُٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا بنا دے) میں "اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ سَاهِيًا" (مگر یہ کہ بھول ہو) نہیں فرمایا اور نہ ہی سجدۂ سہو کا حکم دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کے قول کہ "لَا وَحْدَكَ صَلَّيْتَ وَلَا بِاِمَامِكَ اقْتَدَيْتَ" (یعنی نہ تو نے تنہا ہی نماز پڑھی اور نہ امام کے پیچھے) میں بھی "اِلَّا ان تكون ساهيًا" نہیں فرمایا اور نہ سجدۂ سہو کا حکم دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "مَا صَلَّيْتَ وَحْدَكَ وَلَا صَلَّيْتَ مَعَ الْاِمَامِ" میں بھی "اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ سَاهِيًا" کی قید نہیں ہے اور نہ

سجدۂ سہو کا حکم ہے، بلکہ انھوں نے اُس کو مارا اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔
حضرت سلمان فارسیؓ کا قول " اَلَّذِیْ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ وَیَخْفِضُ قَبْلَهٗ نَاصِیَتُهٗ بِیَدِ الشَّیْطٰنِ یُخْفِضُهٗ وَیَرْفَعُهٗ " (یعنی جو شخص امام سے پہلے اپنے سر کو اُٹھاتا ہے اور امام سے پہلے جُھکاتا ہے اور اُٹھاتا ہے) میں بھی " اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ سَاهِیًا " کی قید نہیں ہے اور نہ سجدۂ سہو کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہُوا۔ حضرت عمرؓ کو سہو ہُوا اور رسول اللہ کے اصحابؓ کو سہو ہُوا۔ ان میں سے بعض تو پہلی دُو رکعتوں میں قراءت بھُول گئے، اس کو پچھلی دو رکعتوں میں پڑھا۔ بعضوں نے قعدہ بھُول کر قیام کر دیا۔ بعض نے قیام کے بجائے سہواً قعدہ کیا۔ غرض کہ ان سب صورتوں میں اور ایسے ہی دیگر حالات میں دُو سجدۂ سہو ہیں۔ ان سب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور صحابۂ کرامؓ کے آثار ہیں اور یہی سُنّت بھی ہے۔ امام پر سبقت کرنے کے متعلق یہی ثابت ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ جو شخص امام پر سہواً یا بغیر سہو سبقت کرے گا تو اس کی نماز نہیں ہو گی، سہو کے لئے اس جگہ کوئی عذر کا موقع نہیں۔

اس موقع پر سہو کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ درآں حالیکہ جب مقتدی امام کو دیکھتا ہے کہ وہ قومہ سے سجدہ کے لئے جُھک رہا ہے تو وہ جلدی کر کے امام سے پہلے سجدہ میں چلا جاتا ہے، یا امام کو اس کے بعد سجدہ میں دیکھتا ہے اور مقتدی اپنے سر کو اُٹھا لیتا ہے، یا امام کی طرف دیکھتا ہے، یا امام کو سجدہ کرتے دیکھتا ہے اور وہ امام سے قبل سجدہ میں چلا جاتا ہے، یا یہ کہ امام ابھی قراءت سے فارغ ہُوا ہے اور وہ امام سے پہلے رکوع میں چلا جاتا

ہے قبل اس کے کہ امام رکوع کے لئے "اللہ اکبر" کہے۔ ان تمام ارکان میں امام کا انتظار کرے۔ جب امام رکوع کرلے، یا سجدہ کرلے، یا اُٹھ جائے، یا جھک جائے، یا اس کی تکبیر کی آواز ختم ہوجائے، تب وہ مقتدی امام کے ادا کرنے کے بعد اور امام کے "اللہ اکبر" کی آواز ختم ہوجانے کے بعد، اس کی پیروی کرے۔ یہاں سہو کے لئے مقتدی کے واسطے کوئی عُذر کا موقع نہیں ہے۔ نہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو معذور سمجھا اور نہ صحابۂ کرام رضؓ نے، اور نہ سجدۂ سہو کا حکم دیا، بلکہ اس کو نماز دُہرانے کی ہدایت کی۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے سر کو گدھے کے سر میں تبدیل ہوجانے کا خوف دلایا ہے، کیونکہ وہ نماز کو خفیف سمجھتا ہے اور اس کو حقیر جانتا ہے اور اپنے دل میں اس کو چھوٹا سمجھتا ہے اس لئے جاہل کو چاہیئے کہ ان باتوں میں اپنے کو قابل معافی نہ سمجھے جن میں کسی عذر کی گنجائش ہی نہیں۔ اگر وہ ان معاملات میں جن میں کسی عُذر کی گنجائش نہیں اپنے کو معذور سمجھے گا تو اپنی غفلت کی سزا بھگتے گا۔ پس یہ شخص ایک کمزور دلیل کے ساتھ جس سے اچھے لوگوں نے حجّت نہیں پکڑی، دوسرے لوگوں کو فتنہ میں ڈالے ہوئے ہے، لہٰذا ان کا بوجھ اور اپنا ذاتی بوجھ دونوں اس کو برداشت کرنا پڑیں گے اس لئے اے اللہ کے بندو! اپنی نمازوں کی طرف توجّہ کرو، کیونکہ یہ تمہارے دین کا آخر ہے۔ انسان اس بات سے پرہیز کرے کہ اپنے خیال میں سمجھے کہ اس نے نماز پڑھی حالانکہ اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔

بعض لوگ ساٹھ برس تک نماز پڑھتے ہیں پھر بھی ان کی نماز نہیں ہوتی

حدیث شریف میں ہے کہ انسان ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے لیکن پھر

بھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ پُوچھا گیا کہ کیونکر نماز نہیں ہوتی؟ فرمایا۔ رکوع پُوری طرح سے ادا کرتا ہے اور سجدہ پُوری طرح سے ادا نہیں کرتا۔ اگر سجدہ پوری طرح سے ادا کرتا ہے تو رکوع پوری طرح سے ادا نہیں کرتا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جو نہ رکوع پوری طرح سے ادا کرتا ہے اور نہ سجدہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پُوچھا کہ تم اس طرح سے کتنے عرصہ سے نماز پڑھتے ہو، اس نے عرض کیا کہ چالیس برس سے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو تُو نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر تو اس حالت میں مرجاتا تو البتہ تیری موت فطرتِ اسلام پر نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے اصحاب میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگہاں باتیں کرتے کرتے رُک گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن آپ باتیں کرتے کرتے کیوں رُک گئے؟ فرمایا کہ میں دو شخصوں کی حالت پر تعجّب کرتا ہوں۔ ایک تو ان میں سے وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ دُوسرا وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ شخص جس کی طرف اللہ تعالیٰ نہیں دیکھے گا، اکڑ کر اور اترا کر چلنے والا ہے۔ اور وہ شخص جس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا وہ نمازی ہے جو نماز تو پڑھتا ہے لیکن رکوع وسجود پُوری طرح سے ادا نہیں کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوکر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آ بیٹھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا کہ اے شخص کیا تو نے نماز پڑھی؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا۔ تیری نماز نہیں ہوئی، اُٹھ اور پھر سے نماز پڑھ۔ اس شخص نے نماز دہرائی، اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پھر آکر بیٹھ گیا۔ پوچھا کہ اے شخص کیا تو نے نماز پڑھ لی؟ عرض کیا بیشک۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اُٹھ اور نماز کا اعادہ کر۔ جب تین مرتبہ یا چار مرتبہ اس نے نماز پڑھ لی، تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو نماز پڑھنا سکھائی۔ پھر اس شخص نے اسی طرح سے نماز پڑھی جس طریقہ سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم دی تھی۔

حضرت امامؒ کی دُعا

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اجر و ثواب کی نیت سے اس کتاب کی مختلف ممالک میں اشاعت کرے، کیونکہ مسلمانوں کو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے انھوں نے نماز کو ہلکا سمجھ رکھا ہے، اور نماز کی توہین کرتے ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ، تَمَّ الْکِتَابُ
حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ،
وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ. رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

طبع شدہ در تاج آرٹ پریس کراچی بااہتمام عنایت اللہ مینجنگ ڈائرکٹر تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی